



محدث فتویٰ
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) فرضیتِ صلوٰۃ جمعہ کی قصبات و دیہات میں احادیث سے ثابت ہے یا نہیں۔ (اس بارے میں ایک روایت حضرت تميم دارسی رضی اللہ عنہ سے سنن بیہقی (۳/ ۱۸۳) اور دوسری روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنن دارقطنی (ص: ۱۶۳) اور سنن بیہقی (۳/ ۱۸۳) میں آئی ہے)۔ [ع، ج: ۲] اور شرائط و قیودات واسطے صلوٰۃ جمعہ جو کتب حنفیہ میں لکھی ہوئی ہیں، وہ احادیث صحیحہ سے مستنبط ہیں یا نہیں؟ (۳) اور جو بعض لوگ ظہر احتیاطی بعد اداء صلوٰۃ جمعہ کے پڑھتے ہیں، اس کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلوة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

إِنَّ النَّحْمَ إِلَّا لِلَّهِ (یوسف: ۳۰) ”فرما زوائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔“

جواب سوال اول یہ ہے کہ صلوٰۃ جمعہ فرض عین ہے۔ فرضیت اس کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُفِیَ لِلضَّلَوةِ مِنْ لَیْلٍ أَوْ نَیْمٍ فَاسْتَوُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْتِفَ... (البجمہ: ۹)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جس وقت کہ پکارا جاوے واسطے نماز کے دن جمعہ کے پس جلدی کرو طرف یاد خدا کے اور چھوڑ دو سودا کرنا۔“

اور سنن ابی داود (ص ۳۱۲ ج ۱) میں ہے:

”عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال: ((البجمہ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ: عبد مملوک أو امرأۃ أو صبی أو مریض)) رواہ ابوداود۔

قال: طارق بن شهاب قد رأى النبی ﷺ ولم یسمع منه شیئا۔“ (سنن ابی داود، رقم الحدیث: ۱۰۶۷)

”فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نماز جمعہ فرض عین ہے ہر مسلمان پر جماعت سے، مگر چار آدمیوں پر۔ ایک غلام پر، دوسرے عورت پر، تیسرے لڑکے پر، چوتھے بیمار پر۔“

اور ایسا ہی مسافر پر بھی فرض نہیں۔ جیسا کہ ترمذی اور احمد نے منقسم عن ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۵۲۷، مسند أحمد ۱/ ۲۲۴) نیز دیکھیں: نصب الراية ۲/ ۱۳۶)

کہا ابوداود رحمہ اللہ نے: طارق بن شهاب نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، مگر آپ سے کچھ سنا نہیں۔ تو یہ حدیث مرسل صحابی ہوئی اور حاکم نے اس کو مسنداً روایت کیا ہے طارق بن شهاب سے، انھوں نے ابوموسیٰ اشعری سے۔ (المستدرک ۱/ ۳۲۵ معرۃ السنن والاکبار ۴/ ۳۲۹)

قال العبد الضعیف أبو الطیب عفی عنہ:

”قال الخطابی فی معالم السنن: لیس اسناد هذا الحدیث بذاك، وطارق ابن شهاب لا یصح له سماع من النبی ﷺ إلا أنه قد لقی النبی ﷺ۔“ انتہی (معالم السنن ۱/ ۲۱۳)

”قال العراقي: فإذا ثبتت صحیۃ فاحدیث صحیح، وغایۃ آن یكون مرسل صحابی، وهو حجة عند المحصور، وإنما خالف فیہ أبو اسحاق الإسفرائینی، بل ادعی بعض الحنفیۃ الإجماع علی أن مرسل الصحابة حجة۔“ انتہی (نیل الأوطار ۳/ ۲۷۸)

قال الحافظ فی الإصابۃ فی تمییز الصحابة (۳/ ۲۸۱): ”إذا ثبت أنه لقی النبی ﷺ فهو صحابی علی الرّجح، وإذا ثبت أنه لم یسمع منه فروایتہ عنہ مرسل صحابی، وهو مقبول علی الرّجح، وقد أخرج له النسائی عدة أحادیث، وذلک مصیر منه إلی إشبات صحیبتہ، وأخرج له ابوداود حدثاً واحداً، وقال: طارق رأى النبی ﷺ ولم یسمع منه شیئا، وقال ابوداود الطیلسی: حدثنا شعبۃ عن قیس بن مسلم عن طارق بن شهاب قال: رأیت النبی ﷺ وغزوت فی خلافتہ ابی بکر، وهذا إسناد صحیح، وأخرج البغوي من طریق شعبۃ عن قیس بن مسلم عن طارق قال: رأیت النبی ﷺ الحدیث۔“ انتہی (مختصاً)

”بندۃ الضعیف أبو الطیب عفی عنہ نے کہا: الخطابی نے ”معالم السنن“ میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند اس طرح سے (مضبوط) نہیں ہے اور طارق بن شهاب کا نبی ﷺ سے سماع درست نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ نبی ﷺ سے ملے تھے۔ ختم شد۔ العراقي نے کہا ہے کہ اگر ان کی صحبت آپ ﷺ سے ثابت ہے تو حدیث صحیح ہے اور یہ ایک صحابی کی مرسل روایت ہے اور وہ (مرسل صحابی) جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ اس کی مخالفت صرف ابواسحاق الاسفرائینی نے کی ہے، بلکہ بعض احناف نے لہما جاد دعویٰ کیا ہے کہ مرسل صحابہ حجت ہے۔ ختم شد۔

حافظ نے ”الإصابۃ فی تمییز الصحابة“ (ص: ۲۸۱) میں کہا ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی ہے تو راجح یہی ہے کہ وہ صحابی ہیں اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ انھوں نے آپ ﷺ سے

سماعت نہیں کی تو ان کی روایت مرسل صحابی ہے اور راجح یہی ہے کہ وہ روایت قبول کی جائے۔ نسائی نے ان کی متعدد احادیث کی تخریج کی ہے، جس سے امام نسائی کا رجحان ان کے اثبات صحبت کی طرف ظاہر ہوتا ہے۔ ان کی ایک حدیث کی تخریج ابوداؤد نے بھی کی ہے اور کہا ہے کہ طارق نے کہا کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، لیکن کچھ سنا نہیں۔ ابوداؤد الطیالسی نے کہا ہے کہ ہمیں شعبہ نے قیس بن مسلم کے واسطے سے بیان کیا، انھوں نے طارق بن شہاب کے واسطے سے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں غزوہ بھی کیا ہے۔ یہ صحیح سند ہے۔ بغوی نے شعبہ کے طریق سے قیس بن مسلم کے واسطے سے تخریج کی ہے اور انھوں نے طارق کے واسطے سے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے۔ الحدیث۔ ختم شد۔

قال العلامة الزيلعي في تخریج أحادیث الهدایہ (۲: ۱۹۹)

”قال النووي رحمه الله في الخلاصة: قال أبو داود: طارق رأى النبي ﷺ ولم يسمع منه، وهذا غير قاذح في صحته، فإنه يكون مرسل صحابي، وهو صحيح، والحدیث علی شرط الصحیحین، ورواه الحاكم في المستدرک (۱: ۲۸۸) عن حريم بن سفيان بن عمن طارق بن شهاب عن أبي موسى رضي الله عنه مرفوعاً، وقال: هذا حديث صحيح علی شرط الشيخين، ولم يخرجاه. وقد احتج بخریم بن سفيان، ورواه ابن عيينة عن ابراهيم بن محمد فلم يذکر فيه ابا موسى، وطارق بن شهاب يعد في الصحابة انتهي۔ قال البيهقي رحمه الله في سننه (۳: ۱۸۳): هذا الحديث وإن كان فيه إرسال فهو مرسل جيد، وطارق من كبار التابعين، ومن رأى النبي ﷺ وإن لم يسمع عنه، وبخبره شواهد۔ انتهي

”وأخرج البيهقي من طريق الإمام محمد بن إسماعيل البخاري من رواية تميم الداري عن النبي ﷺ: ((الجمعة واجبة إلا على صبي أو مملوك أو مسافر)) ورواه الطبراني في معجمه، وزاد فيه: ((المرأة والمریض))، وأخرج البيهقي (۳: ۱۸۳) عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((الجمعة واجبة إلا على مملكت أو على ذي علة)) انتهي كلام الزيلعي (نصب الراية ۲: ۱۳۶)

وقال الحافظ في فتح الباري شرح صحيح البخاري:

”عند أبي داود من طريق طارق بن شهاب عن النبي ﷺ ورجاله ثقات، لكن قال أبو داود: لم يسمع طارق من النبي ﷺ إلا أنه رآه، وقد أخرج الحاكم في المستدرک من طريق طارق عن أبي موسى الأشعري۔ انتهي (فتح الباري ۲: ۳۵۴)

قال الشوكاني في التلخيص:

”وقد اندفع الإلحاح بالإرسال بما في رواية الحاكم من ذكر أبي موسى۔ انتهي (نيل الأوطار ۳: ۲۷۸)

”علامہ زیلعی نے ”تخریج أحادیث الهدایہ“ (ص ۱۹۹، ج ۲) میں کہا ہے کہ نووی نے ”الخلاصة“ میں کہا ہے کہ ابوداؤد نے کہا ہے کہ طارق نے نبی ﷺ کو دیکھا اور ان سے کچھ سماعت نہیں کیا۔ یہ ان کی صحبت میں غیر قاذح ہے اور یہ مرسل صحابی ہے جو قابل حجت ہے اور حدیث صحیحین کی شرط کے مطابق ہے۔ حاکم نے ”المستدرک“ (ص ۲۸۸، ج ۱) میں بریم بن سفيان کے واسطے سے روایت کی ہے، انھوں نے طارق بن شہاب کے واسطے سے اور انھوں نے ابوموسیٰ کے واسطے سے مرفوعاً اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیحین کی شرط کے مطابق ہے، لیکن ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، البتہ دونوں نے بریم بن سفيان کو قابل صحت مانا ہے اور ابن عینیہ نے اس کی روایت ابراہیم بن محمد کے واسطے سے کی ہے، لیکن اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ابوموسیٰ اور طارق صحابہ میں شامل کیے جاتے تھے۔ ختم شد۔

”بیہقی نے اپنی سنن (ص ۱۸۳ ج ۳) میں کہا ہے کہ اس حدیث میں گرچہ ارسال ہے، لیکن یہ مرسل جید ہے اور طارق کبار تابعین اور ان لوگوں میں سے تھے، جنھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تھا، اگرچہ انھوں نے آپ ﷺ سے سماعت نہیں کی اور ان کی حدیث کے متعدد شواہد ہیں۔ ختم شد۔

امام بیہقی نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کے طریق سے تميم داری کی روایت کی تخریج نبی ﷺ کے واسطے سے کی ہے کہ جمعہ سب پر واجب ہے سوائے بچے، غلام اور مسافر کے۔ اس کی روایت طبرانی نے اپنی معجم میں کی ہے۔ اس میں ایک زیادتی اور بھی ہے کہ عورت اور مریض پر بھی جمعہ نہیں ہے۔ بیہقی نے (ص ۱۸۳ ج ۲) اس کی تخریج ابن عمر کے واسطے سے کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو کھتے ہوئے سنا کہ جمعہ ہر شخص کے لیے واجب ہے سوائے غلام اور مریض کے۔ زیلعی کا کلام ختم ہوا۔

حافظ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کہا ہے کہ ابوداؤد کے نزدیک طارق بن شہاب کے طریق سے بواسطہ نبی ﷺ۔ اس کے رجال ثقہ ہیں، لیکن ابوداؤد نے کہا کہ طارق نے نبی ﷺ سے سماعت نہیں کی، البتہ ان کو دیکھا ضرور ہے۔ اس کی تخریج حاکم نے ”المستدرک“ میں کی ہے طارق کے طریق سے ابوموسیٰ اشعری کے واسطے سے۔ ختم شد۔ شوكاني نے ”التلخيص“ میں کہا ہے کہ حاکم کی روایت کی بنا پر ابوموسیٰ کے ذکر سے ارسال کی علت ختم ہو گئی۔ ختم شد۔

پس ان سب عبارتوں سے صاف ظاہر ہوا کہ حدیث طارق بن شہاب کی صحیح اسناد ہے۔ اب کوئی محل گفتگو باقی نہ رہا۔ اور صحیح نسائی میں ہے:

”عن حفصه أن النبي ﷺ قال: ((رواح الجمعة واجب علی كل محتلم)) رواه النسائي، ورجال إسناده رجال الصحيح إلا عياش بن عياش، وقد وثقه العللي۔

صحیح نسائی میں اسناد صحیح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرمایا رسول ﷺ نے جمعہ کی نماز کے لیے جانا فرض ہے ہر مرد و جوان پر۔

”ولایده أيضاً ما أخرجه الدارقطني (ص: ۱۶۳) والبيهقي (۳: ۱۸۳) من حديث جابر: ((من كان يلا من بالله واليوم الآخر فليجئ الجمعة إلا امرأة أو مسافر أو عبد أو مريضاً)) وفي إسناده ابن لهيعة ومعاذ بن محمد الأنصاري، وهما ضعيفان لكن يمكن الاستصحاب۔

”اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جس کی تخریج دارقطنی نے صفحہ (۱۶۳) میں کی ہے اور بیہقی نے (۲: ۱۸۳) میں کی ہے جابر کی حدیث کہ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، اس پر جمعہ فرض ہے، سوائے عورت، مسافر، غلام اور مریض کے۔ اس سند میں ابن لہیعہ اور معاذ بن محمد انصاری ضعیف ہیں، لیکن استصحاب کے لیے کافی ہیں۔“

پس آیت کریمہ اور ان احادیث مرقومہ بالا سے صاف معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کی فرض عین ہے ہر مرد مسلمان صحیح حاربغ مقیم پر خواہ شہر میں ہو خواہ دیہات میں اور اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہرگز یہ ارشاد نہیں

فرمایا کہ شہروں میں نماز جمعہ ادا کرو اور گاؤں میں نہ پڑھو۔ بلکہ جمعہ کی فرضیت آیت اور حدیث سے مطلق ثابت ہے۔ اس میں شہر کی قید نہیں ہے۔ پھر شہر کی قید پڑھانا زیادتی ہے کتاب اللہ تعالیٰ پر اور نزدیک حنفیوں کے وہ جائز نہیں ہے، مگر حدیث مشہور سے، جس کا کہ بیان مفصل اس کا آگے آتا ہے۔ پس جب فرضیت اس کی علی العموم ثابت ہوئی، شہر اور دیہات ہر جگہوں میں، پھر جو شخص باوجود ثبوت فرضیت کے دیہات میں جمعہ ادا نہ کرے، اس کی شان میں یہ وعید شدید وارد ہوئی ہے :

”عن ابی الجہد الضمری، وکان لہ صحبۃ، أن رسول اللہ ﷺ قال: ((من ترک ثلاث جمع تھابوا بجا طبع اللہ علی قلبہ)) رواہ أبو داود والترمذی والنسائی ((سنن أبی داود، رقم الحدیث ۱۰۵۲، سنن الترمذی، رقم الحدیث ۵۰۰، سنن النسائی ۱۳۶۹)

”فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص تین جمعے چھوڑ دے گا سستی سے، مہر کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر۔“

”وعن أبی ہریرۃ وابن عمر أنهما سمعا النبی ﷺ یقول علی أعداءہ: ((لینقضن أقدام عن ودھم الجمعات أولینھن اللہ علی قلوبھم، ثم لیخونن میں الغافلین)) رواہ مسلم، ورواہ أحمد والنسائی من حدیث ابن عمر وابن عباس۔“ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۳۴۰)، (مسند أحمد ۲۳۹، سنن النسائی، رقم الحدیث ۱۳۴۰)

”رسول اللہ ﷺ نے فرماتے تھے کہ باز آئیں لوگ نماز جمعہ کے چھوڑ دینے سے یا مہر کر دے گا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر، پھر ہو جائیں گے وہ غافل سے۔“

”وعن ابن مسعود أن رسول اللہ ﷺ قال لقوم یحلفون عن الجمعۃ: ((لقد حسمت أن آمر رجلاً یصلی بالناس ثم أحرق علی رجال یحلفون عن الجمعۃ یوتھم)) رواہ أحمد ومسلم۔“ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۶۵۲، مسند أحمد ۳۸۱۶)

”فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی شان میں جو کہ نماز جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے ہیں، البتہ ارادہ کیا میں نے اس بات کا کہ حکم کروں ایک شخص کو کہ پڑھانے لوگوں کو نماز، پھر حلا دوں گھر ان لوگوں کے جو کہ جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے۔“

”وعن عبد اللہ بن أبی أوفی قال قال رسول اللہ ﷺ: ((من سمع النداء ولم یأتھا تلثاً، طبع علی قلبہ، فجعل قلب منافق)) رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ قال العراقی: إسناده جید۔“ (نیز حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رواہ الطبرانی فی الکبر معاً من حدیث ابن إسحاق عن شعبۃ عن محمد بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارۃ عن ابن أبی أوفی بہ، وھذا إسناده صحیح۔“ (ابدر المنیر: ۴: ۵۸۸) نیز دیکھیں: إتحاف المحرۃ لابن حجر ۸: ۲۴۲)

یعنی جس نے جمعہ کی نماز تین مرتبہ مانگ کی، مہر کر دی جائے گی اس کے دل پر۔ پس دل اس کا مثل دل منافق کے ہو جائے گا۔

اور ان کے سوا بہت ساری احادیث ہمارے صلوٰۃ جمعہ کے بارے میں وارد ہیں۔ اکثر ان احادیث کو حافظ عبد العظیم منذری رحمہ اللہ نے کتاب ”الترغیب والترہیب“ میں نقل کیا ہے۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ صلوٰۃ جمعہ کو شعار اسلام سمجھ کر اس کے ادا میں غفلت و سستی نہ کریں اور وہ لوگ خواہ شہروں میں ہوں یا دیہات میں، فرضیت اس کی ان کے گلے سے اترتی نہیں۔ جس جگہ پر ہوں صلوٰۃ جمعہ کو جماعت سے ادا کریں۔ ورنہ مہر شقاوت ان کے دلوں پر لگا دی جائے گی اور دل ان کا مثل دل منافق کے ہو جائے گا۔ (الترغیب والترہیب ۱: ۲۹۳)

اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں نماز جمعہ ہر گاؤں میں پڑھی گئی تھی یا نہیں؟ پس جانتا چلیے کہ ابوداؤد ابن ماجہ نے روایت کیا ہے :

”عن عبد الرحمن بن کعب بن مالک، وکان قائدہ أبیہ بعد ما ذهب بصرہ، عن أبیہ کعب، أنه کان إذا سمع النداء لأم الجمعۃ ترحم لأسعد بن زرارۃ قال: فقلت لہ: إذا سمعت النداء ترحم لأسعد بن زرارۃ؟ قال: لأنه أول من جمع بنا فی حزم النبیت من حرۃ بنی بیاضۃ فی نقیع، یقال لہ: نقیع الخضما۔ قلت: کم کنتم یومئذ؟ قال: أربعون رجلاً“ رواہ أبو داود وابن ماجہ، وقال فیہ: کان أول من صلی بنا قبل مقدم النبی ﷺ من مکہ۔“ (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۱۰۶۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث ۱۰۸۲)

”کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب جمعہ کے دن اذان سنتے تو اسعد بن زرارہ کے واسطے دعائیں کرتے۔ ان کے بیٹے نے کہا: کیا وجہ ہے جب آپ اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہ کے واسطے دعائیں کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: اس واسطے کہ پہلے جمعہ انھوں نے قائم کیا ہزم النبیت میں، جو مدینہ میں بنی بیاضہ کے زمینوں میں سے نقیع میں ایک موضع ہے۔ نقیع وہ مقام ہے جہاں پانی بھر رہتا ہے۔ جس کا نام نقیع الخضما تھا۔ عبد الرحمن بن کعب کہتے ہیں کہ میں نے پہچا: اس وقت آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ تو انھوں نے کہا کہ چالیس افراد۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اسعد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے سب سے پہلے جمعہ پڑھایا تھا۔“

قال فی التلئیل: ”وحدیث عبد الرحمن بن کعب أخرجہ أيضاً ابن حبان، والبیہقی، وصحہ، قال الحافظ: وإسناده حسن، وحزم النبیت موضع من حرۃ بنی بیاضۃ، وھما قریۃ علی میل من المدینۃ، وبنو بیاضۃ بطن من الأنصار۔“ انتہی (تلئیل الأوطار ۳: ۲۸۲)

وقال الحافظ ابن الملقن فی ابدر المنیر: ”وان کان فی إسناده محمد بن إسحاق فھذا ذکر سماعہ لہ ففی غیر سنن أبی داود: حدیثی۔ قال البیہقی: وابن إسحاق إذا ذکر سماعہ وکان الراوی عنہ ثقہ استقام الإسناد، قال فی سننہ: وھذا حدیث حسن الإسناد صحیح، وقال فی غلافیاتہ: رواہ کھم ثقات، وقال الحاکم: صحیح علی شرط مسلم۔“ انتہی (ابدر المنیر ۴: ۶۰۰)

”التلئیل“ میں کہا ہے کہ عبد الرحمن بن کعب کی حدیث کی تخریج ابن حبان اور بیہقی نے بھی کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ ہزم النبیت: بنی بیاضہ کے علاقے میں ایک مقام ہے۔ یہ بستی مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور بنو بیاضہ انصار کی ایک شاخ ہے۔ ختم شد۔

”حافظ ابن الملقن نے ”ابدر المنیر“ میں کہا ہے کہ اگرچہ اس کی سند میں محمد بن إسحاق ہیں، لیکن ابوداؤد کے علاوہ دوسری جگہ پر ان کے سماع کی تصریح موجود ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ جب ابن إسحاق اپنے سماع کی تصریح کر دے اور اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو مستقیم ہو جاتی ہے۔ انھوں نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن اور صحیح ہے، اور اپنی غلافیات میں کہا ہے کہ اس کے تمام روایات ثقہ ہیں۔ حاکم نے کہا ہے کہ مسلم کی شرط پر یہ صحیح ہے۔ ختم شد۔“

اور کہا زبلی نے ”نصب الراية“ (۲: ۱۹۸) میں:

وفیه محمد بن اسحاق، وحمود لس، وقد عنعن، لکن رواہ البیهقی فیه بالتحدیث۔ قال البیهقی (۳: ۱۷۷): وهذا حدیث حسن الإسناد صحیح، فإن ابن اسحاق إذا ذکر سماعه، وكان الراوی عنه ثقہ، استقام الإسناد۔“

”اس میں محمد بن اسحاق ہیں جو حدیث میں، جنھوں نے عن کے ساتھ روایت بیان کی ہے لیکن اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس میں تحدیث کی صراحت ہے۔ بیہقی (۳: ۱۷۷) نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن الاسناد اور صحیح ہے، کیونکہ ابن اسحاق جب اپنے سماع کا ذکر کر دے اور راوی ان سے ثقہ ہو تو سند مستقیم ہوتی ہے۔“

اور روایت کیا امام بخاری نے صحیح بخاری میں، والوداود (ص: ۳۱۳ ج: ۱) نے:

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: أول جمعة جمعت فی الإسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللہ ﷺ بالمدینة بجمعة جمعت بموہا قریہ من قری البحرین۔ قال عثمان: قریہ من قری عبد القیس۔“ (۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث (۸۵۲) سنن أبی داود، رقم الحدیث (۱۰۶۸)

”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے پہلا جمعہ جو پڑھا گیا اسلام میں بعد اس جمعہ کے جو مسجد نبوی میں، وہ جمعہ ہے جو پڑھا گیا موہا میں۔ جو ایک گاؤں ہے بحرین کے گاؤں میں سے۔ عثمان نے کہا: وہ گاؤں ہے عبدالقیس کے گاؤں میں سے۔“

کہا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱: ۳۸۶) میں:

”قوله: بموہا من البحرین، وفي رواية وكعب: قریہ من قری البحرین، وفي أخرى عنه: من قری عبد القیس، والظاهر أن عبد القیس لم يجمعوا إلا بأمر النبی ﷺ لما عرف من عادة الصحابة من عدم الاستبداد بالأمور الشرعية فی زمن نزول الوحی، ولأنه لو كان ذلك لا يجوز لنزل فی القرآن كما استدل جابر وأبو سعید علی جواز العزل فانهم فعلوه والقرآن ينزل، فلم يسخروا عنه، وكلی الجوهري والزمخشري وابن الأثیر أن جواثی اسم حصن بالبحرین، وحده الأینیانی كونهما قریة، وكلی ابن التین عن أبی الحسن النخعی أنهما مدینة، وما ثبت فی نفس الحدیث من كونهما قریة، صحیح مع احتمال أن تكون فی الأول قریة ثم صارت مدینة۔“ انتہی

”جواثی بحرین سے ہے۔ وکعب کی ایک روایت میں ہے کہ بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ انھیں سے دوسری روایت میں ہے کہ عبدالقیس کے گاؤں میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ عبدالقیس جمعہ نہیں پڑھتے تھے، مگر نبی ﷺ کے حکم سے، کیونکہ صحابہ کی عادت معروف تھی کہ امور شریعت میں نزول وحی کے وقت وہ بذات خود کوئی کام شروع نہیں کرتے تھے، اور اس لیے بھی کہ اگر ایسا فعل جائز نہ ہوتا تو قرآن میں اس کا نزول ہوتا، جیسا کہ جابر اور ابو سعید رضی اللہ عنہما نے عزل کے جواز کے سلسلے میں استدلال کیا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور قرآن نازل ہو رہا تھا اور ان کو منع نہیں کیا گیا۔ جوہری و زمخشری اور ابن الاثیر نے بیان کیا ہے کہ جواثی بحرین میں ایک قلعے کا نام ہے، لیکن یہ گاؤں ہونے کے منافی نہیں ہے۔ ابن التین نے ابوالحسن نخعی کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ یہ ایک شہر ہے۔ لیکن اسی حدیث میں اس کے گاؤں ہونے کا ذکر ہے تو یہ احتمال ہے کہ شروع میں وہ گاؤں تھا اور بعد میں شہر ہو گیا۔ ختم شد۔“

وقال الحافظ أيضا فی الفتح (۱: ۴۷۳):

”روی عبد الرزاق بإسناد صحیح عن محمد بن سیرین قال: جمیع أهل المدینة قبل أن یقدم رسول اللہ ﷺ وقبل أن تنزل الجمعة، فقلت الأنصار: إن للیهود یومًا یجمعون فیه کل سبعة أيام، وللنصارى كذلك، فلم یفعلوا یومًا یجتمع فیه فذکر اللہ تعالیٰ، ونسلی ونشره فجعل یوم العروبة، واجتمعوا إلى أسعد بن زرارة فجلس بهم یومئذ، وأنزل اللہ تعالیٰ بعد ذلك إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة... الآية۔ وهذا إن كان مرسلًا فله شاهد بإسناد حسن أخرجه أحمد وأبو داود وابن ماجہ، وصحہ ابن خزيمة وغير واحد، من حدیث کعب بن مالک قال: كان أول من صلی بنا الجمعة قبل مقدم رسول اللہ ﷺ المدینة أسعد بن زرارة الحدیث۔ فرسل ابن سیرین یدل علی أن أولئك الصحابة اختاروا یوم الجمعة بالاجتہاد، ولا يمنع ذلك أن یكون النبی ﷺ ملکہ بالوحی، وهو بمکة فلم یتمكن من إقامتها، ثم قد ورد فی حدیث عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عند الدارقطني، ولذلك جمیع لهم أول ما قدم المدینة كما حکاه ابن اسحاق وغيره۔“ انتہی کلامہ

”حافظ نے ”فتح الباری“ (۱: ۴۷۳) میں کہا ہے کہ عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے محمد بن سیرین کے واسطے سے، انھوں نے کہا کہ اہل مدینہ نے جمعہ قائم کیا رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور جمعہ کی فرضیت نازل ہونے سے قبل۔ چنانچہ انصار نے کہا کہ یہود کے لیے سات دنوں میں ایک دن مخصوص ہے جس دن وہ مجتمع ہوتے ہیں اور اسی طرح نصاریٰ کا بھی معاملہ ہے تو آؤ ہم لوگ بھی ایک دن مخصوص کر لیں، جس میں ہم لوگ مجتمع ہوں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، نماز پڑھیں اور اس کا شکر بجالائیں۔ تو ان لوگوں نے ”یوم العروبة“ کا دن مخصوص کیا اور اسعد بن زرارة کے یہاں مجتمع ہوئے، جہاں اس روز انھوں نے ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی کہ ”جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے“ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے، لیکن اس کا ایک شاہد حسن سند کے ساتھ مروی ہے، جس کی ترویج احمد، والوداود اور ابن ماجہ نے کی ہے اور ابن خزيمة وغیرہ نے کعب بن مالک کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ کعب بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل سب سے پہلے ہم نے نماز جمعہ اسعد بن زرارة کے ساتھ پڑھی۔ الحدیث۔ ابن سیرین کی مرسل حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان صحابہ نے جمعہ کا دن اجتہاد سے اختیار فرمایا تھا اور یہ چیز اس بات میں مانع نہیں ہے کہ نبی ﷺ کو مکے میں وحی کے ذریعے بتا دیا گیا ہو، لیکن اس وقت آپ ﷺ وہاں جمعے کی اقامت پر قادر نہیں تھے۔ دارقطنی کے ہاں اس سلسلے میں ابن عباس کے واسطے سے ایک حدیث وارد ہوئی ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کے لیے جمعہ قائم کیا، جب سب سے پہلے مدینہ میں تشریف لائے، جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ کلام ختم ہوا۔“

وقال الحافظ ابن حجر فی التلخیص الجلیہ (ص: ۱۳۳):

”روی الطبرانی فی الکبیر والأوسط عن أبی مسعود الأنصاری قال: ممن قدم من المهاجرین المدینة مصعب بن عمیر، وهو أول من جمع بیا یوم الجمعة، فجمعهم قبل أن یقدم رسول اللہ ﷺ وهم اثنا عشر رجلاً، وفي إسنادہ صالح بن أبی الأنضر، وهو ضعيف، وجمیع بان أسعد كان أمراً، وكان مصعب إماماً، وروی عبد بن حمید فی تفسیرہ عن ابن سیرین قال: جمیع أهل المدینة قبل أن یقدم النبی ﷺ وقبل أن تنزل الجمعة، قالت الأنصار: للیهود یوم یجمعون فیه کل سبعة أيام فذكر مثل ما تقدم، وروی الدارقطني من طریق المنيرة بن عبد الرحمن عن مالک عن الزهري عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال: أذن النبی ﷺ الجمعة قبل أن یجاءر، ولم یستطع أن یجمع بمکة فكتب إلى مصعب بن عمیر: أما بعد فالنظر یوم الذي تجهر فیہ الیهود بالزور فاجمعوا نساءکم وأبناءکم فاذا مال النصار عن شطره عند الزوال من یوم الجمعة فخر بوا الی الدار کعتین، قال: فهو أول من جمع حتی قدم النبی ﷺ المدینة فجمع عند الزوال من الظھر، وأظهر ذلك انتہی کلامہ (التلخیص الجلیہ ۲: ۵۷)

وقال الإمام البيهقي في معرفة السنن والآثار :

”وروي عن معاذ بن موسى بن عتبة بن محمد بن إسحاق أن النبي ﷺ حين ركب من بني عمرو بن عوف في حجة الوداع إلى المدينة مر على بني سالم، وهي قرية بين قباء والمدينة، فأدركته الجمعة فسلمي فسلم الجمعة، وكان أول جمعة صلاها رسول الله ﷺ حين قدم“ انتهى (معجم المعبود، ص ۳۱۵، ج ۱) (معرفة السنن والآثار ۳۲۰)

”وفيه أيضا عن أبي حمزة عن ابن عباس قال : إن أول جمعة جمعت في الإسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله ﷺ بالمدينة لجمعة جمعت بمحاجر قرية من قرى البحرين - قال عثمان قرية من قرى عبد القيس، أخرجه البخاري في الصحيح، وكانوا لا يستبدون بأمر الشرع بحسب نياتهم في الإسلام فلا شئبه أنعم لم يقيموا في هذه القرية إلا بأمر النبي ﷺ -“ انتهى كلام البيهقي رحمه الله تعالى (معجم ص ۳۱۴ ج ۱)، (معرفة السنن والآثار ۳۱۴)

”حافظ ابن حجر نے ”التلخيص الخبير“ (ص: ۱۳۳) میں کہا ہے کہ طبرانی نے ”الکبیر“ اور ”الاوسط“ میں ابو مسعود انصاری کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ مہاجرین میں سے جو لوگ مدینے آئے، ان میں مصعب بن عمیر بھی تھے اور یہ پہلے شخص تھے، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جمعے کے روز لوگوں کو جمعے کے لیے اکٹھا کیا اور وہ بارہ افراد تھے۔ اس حدیث کی سند میں صالح بن ابوالاخضر ہیں، جو ضعیف ہیں۔ دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ اس حد حکم دینے والے تھے اور مصعب امام تھے۔ عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں ابن سیرین کے واسطے سے روایت بیان کی ہے، انھوں نے کہا کہ اہل مدینہ نبی ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اور جمعے کے نزول سے قبل جمع ہونے تو انصار نے کہا کہ یہود کے لیے سات دنوں میں ایک دن مخصوص ہے، پھر پوری حدیث کا ذکر ہے جو اوپر گزری۔ دارقطنی نے مغیرہ بن عبد الرحمن کے طریق سے مالک کے واسطے سے روایت بیان کی ہے، انھوں نے زہری کے واسطے سے، انھوں نے عبد اللہ کے واسطے سے اور وہ ابن عباس کے واسطے سے کہ انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہجرت سے قبل جمعے کی اجازت دے دی تھی اور مکہ میں جمعے کی اقامت کی استطاعت نہیں رکھتے تھے تو انھوں نے مصعب بن عمیر کو لکھا کہ اس دن کو دیکھو جس دن یہود زبور کو با پھر پڑھتے ہیں۔ تو تم بھی اپنی عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کرو اور جمعے کے روز اور نصف النہار میں زول کے وقت دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ راوی نے کہا کہ نبی ﷺ کے مدینے آنے سے قبل یہ سب سے پہلے جمعہ قائم کرنے والے تھے تو لوگوں نے ظہر میں زوال کے وقت جمعے کی نماز ادا کی۔ ان کا کلام ختم ہوا۔

”امام بیہقی نے ”معرفة السنن والآثار“ میں کہا ہے کہ ہم نے معاذ بن موسیٰ بن عتبہ اور محمد بن اسحاق کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے جب مدینے کے لیے ہجرت کا رخت سفر باندھا تو نبی سالم کے پاس سے گزر ہوا، یہ ایک گاؤں ہے جو قبا اور مدینے کے درمیان واقع ہے۔ وہیں جمعہ کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے وہاں جمعہ ادا کیا اور یہ پہلا جمعہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے آنے کے بعد پڑھا۔ ختم شد

”اس میں ابو حمزہ کے واسطے سے یہ بھی ہے اور وہ ابن عباس کے واسطے سے کہ ابن عباس نے کہا کہ بے شک اسلام میں پہلا جمعہ، اس جمعے کے بعد جو مدینے کی مسجد نبوی میں قائم ہوا تھا، وہ جمعہ ہے جو جو تھا میں قائم کیا گیا، یہ بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ عثمان نے کہا کہ یہ عبد القیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ اس کی تخریج بخاری نے صحیح میں کی ہے۔ صحابہ کرام امر شریعت میں بذات خود کوئی عمل ایجاد نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کے دلوں میں اخلاص تھا۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس گاؤں میں نبی ﷺ کے حکم کے بعد ہی جمعہ قائم کیا ہو گا۔ کلام بیہقی ختم شد۔“

ان روایات مذکورہ بالا سے بخوبی واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں چار مرتبہ متعہد گاؤں میں نماز جمعہ کی پڑھی گئی :

اول : ہزم النہیت میں جو ایک گاؤں مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ نے ہمراہ جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نماز جمعہ کی پڑھی۔

دوسرے : جواثی جو ایک گاؤں ہے بحرین میں، وہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمعہ پڑھا۔

تیسرے : قبل ہجرت فرمانے رسول اللہ ﷺ کے طرف مدینہ کے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں حکم رسول ﷺ نماز جمعہ پڑھایا۔ باوجود اس کے کہ اس وقت مدینہ منورہ بھی گاؤں ہی کے حکم میں تھا، البتہ بعد از ہجرت آبادی اس کی بہت بڑھ گئی تھی۔

صحیح بخاری کے ”باب فضل المدینہ“ میں ہے :

”عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ : ((أمرت بقرية تنال القرى يثقلون : يثرب، وهي المدينة))“ الحديث (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۷۷۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۳۸۲)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایک ایسی بستی کے بارے میں حکم دیا گیا جو دیگر بستیوں کو کھاتا جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ یثرب ہے، حالانکہ وہ مدینہ ہے۔ الحدیث“

چوتھے : رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو نبی سالم میں، جو ایک گاؤں ہے درمیان قبا اور مدینہ کے، وہاں نماز جمعہ کی ادا فرمائی۔

جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ شرائط و قیودات واسطے صحت صلوٰۃ جمعہ کے جو کتب حنفیہ میں مذکور ہیں، اس کا اثر و نشان احادیث صحیحہ مرفوعہ سے پایا نہیں جاتا۔ اسی واسطے علامہ شوکانی بیانی نے کتاب ”السبل الجرار المندفق علی حدائق الآزهار“ میں لکھا ہے :

”قوله : وإمام عادل لا يقول : ليس على هذا الاشرط فآخرة من علم، بل لم يصح ما يروى ذلك عن بعض السلف، فضلا عن أن يصح فيه شيء من رسول الله ﷺ، ومن طول المقال في هذا المقام فلم يأبطل قط، ولا يستحق ما لا أصل له بل يشمله برده، بل يخفى في أن يقال : هذا كلام ليس من الشريعة، فكل ما ليس من الشريعة مردود على قائله، مضروب برني وجهه۔

”قوله : وثلاثين مع مقبلا - أقول : هذا الاشرط لهذا العدو لا دليل عليه قط، وهكذا الاشرط ما فوق من الأعداء، والاستدلال بأن الجمعة أقيمت في وقت كذا أو بعد من حضر كذا فخذ الاستدلال باطل لا يستمسك به من يعرف كيفية الاستدلال، ولو كان هذا صحيحا لكان ابتغاء المسلمين معه ﷺ في سائر الصلوة دليلا على اشتراط العدو، وإما حصل أن صلوة الجمعة قد صحت لو اجمع الإمام، وصلوة الجمعة هي صلوة من الصلوات فمن اشتراط فيها زيادة على ما يعتقد فيه الجاهل فليس له الدليل، ولا دليل، وقد عرفناك غير مرة أن الشرط إنما ثبت بأدلة خاصة بل على انعدام المشروط عند انعدام شرط، فأجابت مثل هذه الشروط بما ليس بدليل أصلا، فضلا أن يكون دليلا على الشريعة، هي مجازفة بالغة، وجرأة على التناول على الله عز وجل وعلى رسوله وعلى شريعته، والعجب من كثرة الأقوال في تفهيم العدد حتى بلغت إلى ستة عشر قولاً ليس على شيء من هذا دليل يستدل به قط - قوله : ”ومسجد في مستوطن“ أقول : وهذا الشرط أيضا لم يدل عليه دليل يصلح للتمسك به لجرء الاستنباط فضلا عن الشريعة، ولقد كثرت التلاعب بهذه العبادة حتى وصل إلى حد يفضي منه العجب، وإحتمل أن هذه الجمعة فيض من فرائض الله سبحانه وتعالى، وشعار من شعارات الإسلام، وصلوة من الصلوات فمن زعم أنه يعتبر فيها بالاعتبار في غير ما من الصلوات لم يسمع منه ذلك إلا بدليل، وقد تنصت بالخطبة، وليست الخطبة إلا مجرد موعظة، يتواعظ به عبداً لله، فإذا لم يكن في المكان إلا رجلا ن قام أحدهما بخطبة واستمع له الآخر، ثم قاما فسلما صلوة الجمعة -“ انتهى كلامه بحروفه (السبل

”ان کا یہ کہنا کہ ”امام عادل ہو... الخ۔ میں کہتا ہوں کہ اس شرط پر کوئی علمی دلیل منقول نہیں، بلکہ اس سلسلے میں وہ بھی درست نہیں ہے جس کی روایت بعض سلف کے واسطے سے کی جاتی ہے۔ چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ثابت ہو۔ جس نے اس کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے، وہ کوئی فائدہ مند چیز پیش نہیں کر سکا اور جس امر کی کوئی اصل نہ ہو، وہ تردید کے لیے اس کی مستحق نہیں کہ اس پر بحث کی جائے، بلکہ اس سلسلے میں یہ کہنا کافی ہے کہ یہ شرعی کلام نہیں ہو سکتا اور جو چیز شریعت میں ہے نہیں وہ قابل رد اور قائل کے منہ پر دے مانے کے قابل ہے۔ ان کہنا کہ تین بندے ہوں جن میں ایک مقیم ہو۔ تو میں کہتا ہوں کہ تین کی یہ شرط بالکل بلا دلیل ہے اور اسی طریقے سے اس سے زیادہ تعداد کی شرط۔ اس سلسلے میں یہ استدلال کی نماز جمعہ فلاں وقت قائم کی گئی اور اس میں ملتے لوگ حاضر تھے۔ یہ استدلال باطل ہے اور وہ شخص ہی اس شرط کو گرہ میں باندھ سکتا ہے جو استدلال کی کیفیت سے نا آشنا ہو۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو تمام مسلمانوں کا اجتماع آپ ﷺ کے ساتھ تمام نمازوں میں مخصوص عدد کی شرط کی دلیل ہوتا۔ حاصل کلام یہ کہ جمعے کی نماز امام کے ساتھ ایک آدمی کی بھی درست ہوگی۔ جمعہ کی نماز دیگر نمازوں میں ہی سے ایک نماز ہے اور جس نے زیادتی کی شرط لگائی ہے کہ اتنی تعداد پر جماعت منعقد ہوگی تو اسے چلیجے کہ وہ دلیل لانے اور حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم یہ بات منعقد و باربتا چکے ہیں کہ شرائط مخصوص دلائل سے ثابت ہوتی ہیں، جو شرط کے انہدام کے وقت مشروط کے انہدام پر دلالت کرتے ہیں، پس اس طرح کی شروط کا اثبات جس کی اصلاً کوئی دلیل نہیں ہے، چہ جائیکہ شریط پر دلیل ہو، یہ صریح ظلم اور جرات ہے اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول پر اور اس کی شریعت پر اور ان پر پھونکی بات گھرنے کے مترادف ہے۔ حد درجہ تعجب ہے کہ اس سلسلے میں یعنی عدد کے تعین کے سلسلے میں بہ کثرت اقوال ہیں۔ یہاں تک کہ سولہ اقوال ہیں اور کسی کی کوئی دلیل نہیں ہے، جس سے استدلال کیا جائے۔ درست بات یہ ہے کہ جس طرح بغیر مشروط اور عدد کے دوسری جماعتیں ہوسکتی ہیں، اسی طرح جمعہ ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ مسجد آباد ہو یا آبادی بیسویں کہتا ہوں کہ یہ شرط بھی ایسی ہے جس کے استنباب پر کوئی دلیل نہیں لائی جاسکتی چہ جائیکہ اسے شرط بنایا جائے۔ اس عبادت کے بارے میں کھلواڑ بہت زیادہ ہوا ہے، حتیٰ کہ یہ کھلواڑ عجب کی حد کو بھی پار کر گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جمعہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض میں سے ایک فریضہ، اسلام کے شاعریں سے ایک شعار اور نمازوں میں سے ایک نماز ہے اور جو گمان کرے اس میں ان اعتبارات کا جن کا اعتبار دوسری نمازوں میں نہیں ہے تو اس سلسلے میں اس سے کوئی بات بلا دلیل نہیں سنی جائے گی، البتہ جمعہ کی نماز کے ساتھ خطبہ مخصوص ہے اور خطبہ محض مو عظمت ہے، پس اگر کسی جگہ دو آدمی سے زیادہ نہیں ہیں تو ان میں ایک کھڑا ہو جائے گا اور خطبہ دے گا اور دوسرا سماعت کرے گا، پھر دونوں کھڑے ہوں گے اور جمعہ کی نماز پڑھیں گے۔ ان کا کلام انہی کے الفاظ میں ختم ہوا۔“

مگر حنفیوں کا دعویٰ ہے کہ ماخذ ان شرائط و قیودات کا وہ اثر ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے :

”لا تشریق ولا جمعة ولا فطر ولا اضحیٰ الا مصر جامع“

”نہ تشریق ہے نہ جمعہ ہے نہ فطر ہے اور نہ قربانی ہے مگر مصر جامع میں۔“

لیکن معلوم کرنا چاہیے کہ یہ قول حدیث مرفوع نہیں ہے، جیسا کہ فرمایا امام بیہقی نے ”معرفۃ السنن والاکثار“ میں :

”قال الشافعی فی القدیم : وقال بعض الناس : لا تجوز الجمعة الا فی مصر جامع ، وذكر فیہ شینا ضعیفا ، قال أحمد : انما یروی حدّا عن علی فامنا النبی ﷺ فانه لا یروی عنہ فی ذلک شیء۔“ (معرفۃ السنن والاکثار ۳ ۳۲۲)

”شافعی نے قدیم قول میں کہا ہے : ”بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جمعہ جائز نہیں ہے مگر مصر جامع میں اور اس بارے میں ضعیف چیز کا ذکر کیا ہے۔ احمد نے کہا کہ اس کی روایت صرف علی کے واسطے سے کی جاتی ہے اور ربی نبی ﷺ کی بات تو آپ ﷺ سے اس بابت کوئی چیز مروی نہیں ہے۔ ختم شد۔“

اور تخریج زلیعی میں ہے :

”قلت : غریب مرفوعا ، وانما وجدناه موقوفا علی۔“ (نصب الراية ۲ ۱۳۳)

”میں نے کہا کہ مرفوعاً غریب (ضعیف) ہے اور ہم نے اسے علی رضی اللہ عنہ پر موقوف پایا ہے۔“

اور کہا حافظ نے تلخیص میں :

”حدیث علی : لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر۔ ضعیفہ أحمد۔“ (التلخیص البحر ۲ ۵۴)

”علی کی حدیث ”لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر“ کو احمد نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

اور کہا ”درایہ تخریج احادیث ہدایہ“ (ص : ۱۳۱) میں :

”قال البیهقی : لا یروی عن النبی ﷺ فی ذلک شیء۔“ انتہی (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ۱ ۲۱۴)

”بیہقی نے کہا کہ اس سلسلے میں نبی ﷺ سے کوئی روایت نہیں بیان کی جاتی۔ ختم شد۔“

بلکہ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے، روایت کیا اس کو عبد الرزاق نے مصنف میں :

”انخرنا معمر عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی ، قال : لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع۔“ (مصنف عبد الرزاق ۳ ۱۶۷)

ورواہ ابن ابی شیبہ : حدیثا عباد بن العوام عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی قال : لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع اود مدینہ عظیمہ۔ انتہی (صنف ابن ابی شیبہ ۱ ۳۳۹، نصب الراية ۲ ۱۳۳)

والجمعیہ شان ضعیفان ، الحارث الاغور ضعیف جدا۔

ورواه عبدالرزاق أيضا: أنبا الثوري عن زبيد اليامي عن سعد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي قال: لا تشرئق ولا حمزة إلا في مصر جامع. (مصنف عبدالرزاق ٣: ١٦٨)

قال في الدراية (ص: ١٣١): إسناده صحيح.

وقال البيهقي في المعرفة: أخبرنا علي بن أحمد بن عبدان قال: حدثنا شعيب عن زبيد اليامي عن سعد بن عباد عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي قال: لا تشرئق ولا حمزة إلا في مصر جامع، وكذلك رواه الثوري عن زبيد موقوفاً. انتهى (معرفه السنن والآثار ٣: ٣٢٣)

وأخرج ابن أبي شيبة حديثاً جريراً عن منصور عن طلحة عن سعد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي: لا حمزة ولا تشرئق. الحديث. قال العيني في شرح البخاري: "سند صحيح" (مصنف ابن أبي شيبة ١: ٣٣٩)، (عمدة القاري ٦: ٢٨٩)

"ہمیں معمر نے بتایا ابواسحاق کے واسطے سے، انھوں نے حارث کے واسطے سے اور انھوں نے علی کے واسطے سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جمعہ اور تشرئق صرف شہر کی جامع مسجد میں ہے۔ اس کی روایت ابن ابی شیبہ نے کی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ہمیں عباد بن عوام نے حجاج کے واسطے سے حدیث بیان کی، انھوں نے ابواسحاق کے واسطے سے اور وہ علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ جمعہ کی نماز، نہ تشرئق، نہ عید الفطر اور نہ عید الاضحیٰ کی نماز جائز ہے، مگر مصر جامع میں یا کسی بڑے شہر میں۔ ختم شد۔ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ حارث الاوربست زیادہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت عبدالرزاق نے بھی کی ہے کہ ثوری نے زبیدی کے واسطے سے خبر دی، انھوں نے سعد بن عبيدة کے واسطے سے، انھوں نے ابو عبد الرحمن السلمي کے واسطے سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جمعہ اور تشرئق صرف مصر جامع ہی میں ہے۔ "الدراية" (ص: ١٣١) میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ بیہقی نے "المعرفة" میں لکھا ہے کہ ہم سے شعبہ نے زبیدی کے واسطے سے، وہ سعد بن عباد کے واسطے سے، وہ ابو عبد الرحمن السلمي سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ تشرئق ہے اور نہ جمعہ مگر مصر جامع میں۔ اسی طرح سے ثوری نے زبید کے واسطے سے موقوفاً روایت کی ہے۔ ختم شد۔ امام ابن ابی شیبہ نے تخریج کی ہے کہ ہمیں جریر نے حدیث بیان کی منصور کے واسطے سے، وہ طلحہ کے واسطے سے، وہ سعد بن عبيدة سے، وہ ابو عبد الرحمن کے واسطے سے اور وہ علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کہ نہ جمعہ ہے اور نہ تشرئق، الحديث. عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔"

جواب اس کا یہ ہے کہ اس قول کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ پس جب قول رسول اللہ ﷺ کا نہیں ہوا، پس یہ اثر بمقابل آیت قرآن وحدیث مرفوع: ((الجمعة حق واجب علی کل مسلم)) کے حجت نہیں ہے۔ البتہ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، پچند طریق مروی ہے۔ بعض سند اس کی ضعیف وبعض صحیح ہے، جیسا کہ بیان اس کا مفصلاً گزرا اور پھر بعد صحبت سند یہ معلوم نہیں ہے کہ مصر جامع کی تفسیر کیا ہے؟ (سنن ابی داود، رقم الحدیث ١٠٦٤)

اسی واسطے کہا امام شافعی نے:

"ولاندري ما حد المصرا جامع؟" أخرجه البيهقي في المعرفة. (معرفه السنن والآثار ٣: ٣٢٣)

"ہمیں نہیں معلوم کہ مصر جامع کی تفسیر کیا ہے؟ اس کی تخریج بیہقی نے المعرفة میں کی ہے۔"

اور جو کما شیعہ ابن الامام نے فتح القدير میں:

"وكفى بعلی قدوة وإماماً" (فتح القدير ٢: ٥١)

"علی رضی اللہ عنہ کا قدوہ اور امام کے طور پر ہونا کافی ہے۔"

وہ قابل تسلیم نہیں ہے۔ لائے للاحتجاج فیہ مسرح فلا تنقص للاحتجاج بہ۔

"کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اس لیے اس کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔"

اور تعجب سخت ومقام حیرت ہے کہ ائمہ احناف کی تمامی کتب اصول بالامال ہے اس بات سے کہ خبر آحاد سے تخصیص نص قرآن شریف کی نہیں ہوتی ہے اور زیادتی قرآن پر خبر آحاد سے جائز نہیں، جیسا کہ تلویح میں ہے:

"وإنما خبر الواحد في معارضة الكتاب لأن الكتاب مقدم لكونه قطعاً متواتراً للنظم، لا شعبة في متن ولا سند. " انتهى (شرح التلويح على التوضيح ٢: ١٤)

"قرآن سے معارضے کی صورت میں خبر واحد کو رد کر دیا جائے گا، کیونکہ قرآن مقدم ہے اس لیے کہ وہ قطعی اور متواتر النظم ہے۔ اس کے متن میں شبہ ہے اور نہ اس کی سند میں۔ ختم شد۔"

اور بھی تلویح میں ہے:

"لا يجوز تخصيص الكتاب بخبر الواحد، لأن خبر الواحد دون الكتاب، لأنه ظني، والكتاب قطعي، فلا يجوز تخصيصه لأن التخصيص تفسير، وتفسير الشيء لا يكون إلا بما يشاؤ به أو يكون فوقه. " انتهى (مصدر سابق ٢: ٣٩)

"خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے، کیونکہ خبر واحد قرآن سے کم تر ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ظنی ہے اور قرآن قطعی، تو اس کی تخصیص جائز نہیں ہے، کیونکہ تخصیص تفسیر ہوتی ہے اور کسی چیز کی تفسیر اس کے مساوی یا اس سے اوپر کے درجے کی چیز ہی سے ہو سکتی ہے۔ ختم شد۔"

اور اصول الشاشی میں ہے:

"شرط العمل بخبر الواحد أن لا يكون مخالفاً للكتاب والسنة المشهورة. " انتهى (أصول الشاشي ص: ١٤٦)

”خبر واحد پر عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت مشورہ کے مخالفت نہ ہو۔ ختم شد“

اور نور الانوار میں ہے :

”ونسخ وصفت فی الحکم بأن نسخ عمومہ وإطلاقہ، یتقی أصلہ، وذلك مثل الزیادة علی النص فانسخ عندنا، ولا يجوز عندنا إلا بالخبر المتواتر والمشهور۔“ انتہی

”حکم میں کسی وصفت کا نسخ اس طور سے ہو کہ اس کے عموم اور اطلاق دونوں کو منسوخ کر دے اور اس کی اصل باقی رہے۔ یہ نص پر زیادتی کے مثل ہے جو ہمارے نزدیک نسخ ہے اور یہ ہمارے نزدیک خبر متواتر اور مشہور کے بغیر جائز نہیں ہے۔ ختم شد۔“

چنانچہ بنا براسی اصول مقررہ کے کتنی احادیث صحیحہ مرفوعہ روکی گئی ہیں؟ اور پھر باوجود اس شدت کے یہ ایک اثر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرقوم مروی ہے اور خبر مرفوعہ آحاد کے درجہ میں بھی نہیں ہے، اس سے نص قرآن پر زیادتی اور اس کی تخصیص کی جاتی ہے اور اس کے حکم عام کا یہ اثر نسخ ٹھہرایا جاتا ہے۔ یعنی نص قرآن میں حکم مطلق ہے واسطے صلوة جمعہ کے شہر و قسبات و دیہات ہر جگہوں میں۔ پھر اس حکم مطلق پر یہ زیادتی کرنا کہ دیہات میں صلوة جمعہ جائز نہیں اور عموم حکم قرآن کا نسخ ٹھہرانا، بالکل مخالفت ہے ان کے اس اصول مقررہ کے۔ و علی کل حال یہ اثر موقوف قابل احتجاج نہیں، کیونکہ اثر موقوف کو قوت معارضہ خبر مرفوعہ کے نہیں۔ اور علاوہ اس کے دوسرے اجلائے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مثل حضرت عمرو و عثمان و ابن عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے خلاف اس اثر کے ثابت ہے۔ یعنی ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیہات میں جمعہ پڑھنے کی اجازت دی ہے اور ان کے زمانہ میں گاؤں میں جمعہ پڑھا گیا ہے، جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ میں مروی ہے اور یہی صحیح ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے۔

قال الیہیسی: ”روی محمد بن اسحاق بن خزیمہ عن علی بن خشرم عن عیسیٰ بن یونس عن شعبہ عن عطاء بن ابی میمونہ عن ابی رافع أن أباه ریدة کتب إلی عمر یسألہ عن الجمعة، وحو بالبحرین، فکتب إلیهم أن یجمعوا حیث ما کنتم۔ قال الیہیسی: معناہ أی قرئہ کنتم فیما، لأن مقامهم من البحرین إنما کان فی القری۔ قال أحمد (یعنی الیہیسی): وهذا لا اثر لاسنادہ حسن۔“ انتہی (معریۃ السنن والاکثار ۴ ۳۲۳)

”یہیسی نے کہا کہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے علی بن خشرم کے واسطے سے روایت کی، انھوں نے عیسیٰ بن یونس کے واسطے سے، انھوں نے شعبہ کے واسطے سے، انھوں نے عطاء بن ابی میمونہ کے واسطے سے اور وہ البوراف کے واسطے سے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے بارے میں لکھ کر دریافت کیا، جبکہ وہ بحرین میں تھے، تو انھوں نے ان کو جواب دیا کہ جہاں بھی آپ لوگ ہیں جمعہ قائم کریں۔ یہیسی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جس گاؤں یا قریہ میں بھی ہو۔ کیونکہ وہ لوگ بحرین کے مقام پر گاؤں میں تھے۔ یہیسی نے کہا ہے کہ اس اثر کی سند حسن ہے۔ ختم شد۔“

اور بھی کتاب المعرفہ میں ہے :

”وکی الیث بن سعد أن أهل الأسکندریة ویدائن مصر سوا حلیا کانوا یجمعون الجمعة علی عهد عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان بأمرهما وفیہا رجال من الصحابة۔“ انتہی (معریۃ السنن والاکثار ۴ ۳۲۲)

”الیث نے بیان کیا ہے کہ اہل اسکندریہ، مدائن مصر اور اس کے ساحلی علاقے کے لوگ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے حکم سے جمعہ قائم کرتے تھے اور وہاں بہت سے صحابہ موجود تھے۔ ختم شد۔“

اور ”فتح الباری شرح صحیح البخاری“ میں ہے :

”وعن عمر أنه کتب إلی أهل البحرین أن یجمعوا حیث ما کنتم، وهذا یثمل المدن والقری، أخرجه ابن ابی شیبہ من طریق ابی رافع عن ابی هريرة عن عمر، وصحہ ابن خزیمہ، وروی الیہیسی من طریق الولید بن مسلم: سألت الیث بن سعد فقال: کل مدینة أوقریة فیما جماعتہ أمر و بالجمعة، فإن أهل مصر وسوا حلیا کانوا یجمعون علی عهد عمر و عثمان بأمرهما، و فیہا رجال من الصحابة، وعند عبد الرزاق یسناد صحیح عن ابن عمر أنه کان یری أهل المیاء بین مکة والمدینة یجمعون فلا یعیب علیهم، فلما اختلفت الصحابة وجب الرجوع إلی المرفوع۔“ انتہی کلام الحافظ (فتح الباری ۲ ۳۸۰)

”عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بحرین کو لکھا کہ وہ جمعہ قائم کریں جہاں کہیں بھی ہیں۔ یہ حکم شہر اور گاؤں دونوں کو شامل ہے۔ اس کی تخریج ابن ابی شیبہ نے البوراف کے طریق سے، انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور وہ عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کرتے ہیں۔ ابن خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہیسی نے ولید بن مسلم کے طریق سے روایت کی ہے کہ میں نے لیث بن سعد سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہر شہر اور گاؤں جہاں لوگوں کی جماعت ہو، وہاں جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ اہل مصر اور اس کے ساحلی علاقے کے لوگ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم پر ان کے زمانوں میں جمعہ قائم کرتے تھے اور وہاں بہت سارے صحابہ بھی موجود تھے۔ مصنف عبد الرزاق میں صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مختلف بستیوں والوں کو دیکھتے تھے کہ وہ جمعہ قائم کرتے ہیں، تو وہ ان کو منع نہیں کرتے تھے۔ جب صحابہ میں اختلاف ہو جائے تو مرفوع حدیث کی جانب رجوع واجب ہو جاتا ہے۔ حافظ کا کلام ختم ہوا۔“

اور ”تلیف البخیر“ میں ہے :

”قال ابن المنذر فی الأوسط: روینا عن ابن عمر أنه کان یری أهل المیاء بین مکة والمدینة یجمعون، ولایعیب ذلک علیہ، ثم ساقه موصولا، وروی سعید بن منصور عن ابی هريرة أن عمر کتب إلیهم أن یجمعوا حیث ما کنتم۔“ انتہی (التلیف البخیر ۲ ۵۳)

”ابن المنذر نے ”الأوسط“ میں کہا ہے کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان اہل میاء کو دیکھا کرتے تھے کہ وہ جمعہ قائم کرتے ہیں تو وہ ان کے اس عمل پر کوئی عیب چینی نہیں کرتا تھا۔ پھر اس حدیث کو موصلاً بیان کیا ہے۔ سعید بن منصور نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت بیان کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ جمعہ قائم کرو، جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو۔ ختم شد۔“

پس یہ آثار حضرت عمرو و عثمان و ابن عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے مطابق حکم مطلق قرآن و حدیث مرفوعہ کے ہیں۔ تو اب اسی پر عمل واجب و لازم ہے۔

قال الله تعالى: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُتُوءٌ خَبِيرَةً (الأحزاب: ۲۱)

”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔“

وقال: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

”اس رسول (ﷺ) کی جو اطاعت کرے، اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔“

اور علاوہ اس کے ائمہ احناف رحمہم اللہ نے مصر جامع کی بنا پر مسلک کرخی کے جو تفسیر کی ہے کہ وہ شہر ایسا ہو جہاں حاکم وقاضی رہتا ہو اور اس کے سبب سے اقامت حدود وغیرہ جاری ہو۔

یہاں کہہ دیا میں ہے:

”والمصر الجامع: كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام، ويقيم الحدود، وهذا عند أبي يوسف، وعنه أنهم إذا اجتمعوا في أكبر مساجد حم لم يسعهم، والأول اختيار الكرخي، وهو الطاهر، والثاني اختيار البجلي.“ (الهداية ص: ۸۲)

”مصر جامع وہ جگہ ہے، جہاں ایک امیر اور ایک قاضی ہو، جو احکام نافذ کرتا اور حدود قائم کرتا ہو۔ یہ ابو یوسف کے نزدیک ہے اور انھی سے یہ بھی منقول ہے کہ جب لوگ اپنی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں جو ان کو کافی نہ ہو۔ پہلا کرخی کا اختیار ہے اور دوسرا بجلي کا اختیار ہے۔“

اور بعضوں نے یوں تفسیر کی کہ وہ ایسا شہر ہو کہ جہاں بازار میں دوکانیں ہوں اور حاکم بھی رہتا ہو، کہ جس سے انصاف درمیان ظالم و مظلوم ہوتا ہو، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

”بلدة فيها سلك وأسواق ووال، ينتصف المظلوم من الظالم، وعالم يرجع إليه في الحوادث.“ (فتح القدیر ۲: ۵۲)

”ایسا شہر جس میں گلیاں اور بازار ہوں اور ایسا والی ہو جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلا سکے اور ایک ایسا عالم ہو جس کی طرف مسائل و حوادث کے وقت رجوع کیا جاسکے۔“

تو ان دونوں تفسیر کے جو بنا پر مسلک کرخی کے ہے، اس کی کچھ اصلیت کتاب و سنت سے معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ منقول نہیں کہ صحابہ و تابعین نے زمانہ امارت یزید بن معاویہ میں نماز جمعہ ترک کیا ہو۔ باوجود اس کے کہ ظلم یزید بن معاویہ کا اظہار من الشمس تھا اور ہزاروں خون ناحق اس نے کھپے اور پھر انصاف ظالم و مظلوم سے اس کو کیا علاقہ؟ بلکہ بعد وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امارت بنی امیہ میں حدود میں نہایت سستی ہو گئی اور انصاف ظالم و مظلوم کا بالکل مفقود ہو گیا۔ ہاں البتہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خلافت اور بعض عباسیہ کی امارت میں اقامت حدود وغیرہ تھی۔ پھر اس کے ساتھ بھی کہیں یہ منقول نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ و تبع تابعین نے نماز جمعہ ترک کیا ہو، ورنہ ترک کرنا ان لوگوں کا ضرور منقول ہوتا۔ (یہ بات مولانا رحمہ اللہ نے یزید کے متعلق عام شہرت کی بنا پر کی ہے، بغرض الزام، نہ کہ بر بنائے تحقیق۔ فہرہ)۔ [ع، ح]

دیکھو! مولانا عبد العلی رحمہ اللہ (بحر العلوم) لکھنوی نے ”ارکان الربیع“ میں لکھا ہے:

”اختلف الروایات في مذنبنا، ففي ظاهر الروایات: بلدة بها إمام وقاض، يصلح لإقامة الحدود، وفي القدير: بلدة فيها سلك وأسواق ووال ينتصف المظلوم من الظالم، وعالم يرجع إليه في الحوادث، وهذا انحصار، وحملوا قول أمير المؤمنين علي رضي الله عنه ما رواه عبد الرزاق لا تشريف ولا جمعة إلا في مصر جامع - على أحد هذين الروایتين، فإن المصر الجامع لا يكون إلا ما هذا شأنه، وعلى التفسير الأول المصر الذي واليه كافر، لا تجب فيه الجمعة، وعلى التفسير الثاني لا تجب في المصر الذي واليه ظالم، لا ينتصف المظلوم من الظالم، ويرد هذين الروایتين أن الصحابة والتابعين لم يتركوا الجمعة في زمان يزيد مع أنه لا شهية في أنه كان من أشد الناس ظلمًا، لأنه حتى حرمة أهل البيت، وبقية مصر عليه، ولم يترك عليه وقت إلا كان حوصدوا ظلم من إباحة سماء الصحابة الأخيار، وأما انتصاف المظلوم من الظالم فبعد منه كل البعد، فافهم، وإن شرط إقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم ينفى وجوب الجمعة مع أخا من شعائر الإسلام، ونحن نقول: قد وقع التنازع في إقامة الحدود وانتصاف المظلوم من الظالم في ائمة بنی امیہ بعد وفاة معاویہ الا انی زمان عمر بن عبد العزیز، وفي اماره بعض العباسیة، ولم يترك الجمعة أحد من الصحابة والتابعين ومن تبعهم فلعلم انهم ليس بشرطين - انتهي

”ہمارے مذہب میں روایات مختلف ہیں۔ ظاہر الروایہ سے پتا چلتا ہے کہ (مصر جامع) ایک ایسا شہر قصبہ جس کا ایک امام اور ایک قاضی ہو جو حدود قائم کرتا ہو۔ ”فتح القدیر“ میں ہے کہ بلدۃ وہ ہے جس میں گلیاں اور بازار ہوں اور ایک والی ہو جس سے مظلوم کو ظالم سے انصاف ملے اور ایک عالم ہو جس کی طرف حوادث کے وقت رجوع کیا جاتا ہو۔ یہ تعریف زیادہ مخصوص ہے۔ ان لوگوں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول ”جمعہ اور تشریق صرف مصر جامع میں ہے“ کو محمول کیا ہے ان دونوں روایتوں میں سے ایک روایت پر، کیوں کہ مصر جامع کی تعریف مکمل نہیں ہوتی ہے مگر ان خصوصیات کے ساتھ۔ پہلی تفسیر کے مطابق مصر وہ ہے جس کا والی کافر ہو، اس میں جمعہ واجب نہیں ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق اس شہر میں جمعہ واجب نہیں ہے جس کا والی ظالم ہو اور ظالم سے مظلوم کو انصاف نہ ملتا ہو۔ یہ دونوں روایات رو کر دی جائیں گی، کیونکہ صحابہ و تابعین نے یزید کے زمانے میں جمعہ ترک نہیں کیا، اس کے باوجود کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت بڑا ظالم تھا، جس نے اہل بیت کی حرمت کو تار تار کیا اور وہ اپنی ان حرکتوں پر مصر رہا اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرا جبکہ اس نے اپنے بے پناہ مظالم کے ذریعے صحابہ کا خون نہ بہایا ہو۔ رہا معاملہ ظالم سے مظلوم کی دادرسی کا تو اس سے اس کی دور دور تک امید نہیں۔ تو یہ بات جان لو کہ اقامت حدود کی شرط اور ظالم سے مظلوم کی دادرسی کی شرط وجوب جمعہ کے منافی ہے، حالانکہ جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اقامت حدود اور مظلوم کی دادرسی کے معاملے میں بنو امیہ کے دور میں بڑی سستی آگئی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سوائے عمر بن عبد العزیز کے زمانے میں اور بعض عباسی خلفائے عدا امارت میں، ان حالات میں صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے کسی نے بھی جمعہ ترک نہیں کیا۔ پس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں شرطیں نہیں ہیں۔ ختم شد۔“

اور علاوہ اس کے اسعد بن زرارہ نے قبل قدم رسول اللہ ﷺ کے نماز جمعہ جو ہرم النبیت میں ہمراہ جماعت صحابہ ادا کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے وقت قدم مدینہ منورہ بعد خروج از قبا کے صلوة جمعہ کو جو بنی سالم میں ادا فرمایا، یہ دونوں واقعے مبطل اس مسلک کرخی کے ہیں، کیونکہ مدینہ منورہ قبل از قدم اور بھی ابتداء زمانہ قدم رسول اللہ ﷺ میں دار اقامت حدود و تنفیذ احکام مطابق مسلک کرخی کے ہرگز نہیں تھا۔ جیسا کہ کتب احادیث و سیر سے واضح و ظاہر ہے اور تفصیل اس امر کی کتاب ”النور اللامع فی اخبار صلوة الجمعة عن النبی الشافع“ میں ان شاء اللہ تعالیٰ لکھی جائے گی۔ وفتی اللہ تعالیٰ لا تمأمرکم وفتی لا بدائتہ، واذک علی اللہ بعزیز۔

اور مغلہ شرائط صحت جمعہ نزدیک ائمہ احناف کے اذن سلطان بھی ہے اور اس کی بھی کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی ہے، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ فقہ میں چالیس دن محصور رہے اور وہ یقیناً امام حق تھے۔ پائیں ہمہ حضرت علی و طلحہ و الزبیر و سہل بن خنیف و ابوالامہ رضی اللہ عنہم وغیرہم نماز عیدین وغیرہ پڑھاتے رہے اور اذن طلب کرنا ان لوگوں کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول نہیں۔

جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے :

”مالک عن ابن شهاب عن أبي عبيد مولى بن أضر قال : شهدت العيد مع علي بن أبي طالب ، وعثمان ، مصور ، فجاء فغلب ، ثم انتهى (موطا الإمام مالک ۱ ۱۷۸)

و هكذا أخرجه الشافعي وابن حبان ، وقال الرافعي في شرح الوجيز : ”روي أن علياً أقام الجمعة ، وعثمان مصور۔“ (مسند الشافعي ص : ۶۱ ، صحيح ابن حبان ۸ ۳۶۴) ، (فتح العزيز شرح الوجيز ۴ ۵۳۷)

قال الحافظ ابن حجر في التلخيص : ”وكان الرافعي أخذہ بالقياس لأن من أقام العيد لا يبعد أن يقيم الجمعة فنه ذكر سيقت في الفتوح أن مدة الحصار كانت أربعين يوماً لكن قال : كان يصلي بهم صلاة طيلة ، وتارة عبد الرحمن بن عديس ، وتارة غيرهما۔“ انتهى (التلخيص الجدير ۲ ۵۸)

”مالک، شہاب کے واسطے سے ، وہ ابو عبید مولى بن اضر کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عید کی نماز علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی اور عثمان رضی اللہ عنہ حضور تھے ، وہ آئے اور انھوں نے نماز پڑھی پھر بیٹے اور خطبہ دیا۔ ختم شد۔ اس کی تخریج شافعی اور ابن حبان نے کی ہے اور رافعی نے شرح الوجیز میں کہا ہے کہ روایت بیان کی گئی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ قائم کیا دراصل حالیکہ عثمان رضی اللہ عنہ حضور تھے۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں کہا ہے کہ رافعی نے اس کو قیاس سے اخذ کیا ہے ، کیونکہ جو عید کی نماز قائم کرتا ہے ، وہ جمعہ کی نماز بھی قائم کر سکتا ہے۔ سیف نے الفتوح میں ذکر کیا ہے کہ حصار کی مدت چالیس دن تھی ، لیکن انھوں نے کہا کہ ان لوگوں کو کبھی طلعہ نماز پڑھاتے اور کبھی عبد الرحمن بن عديس اور کبھی ان کے علاوہ کوئی اور۔ ختم شد۔“

اور زرقانی شرح موطا میں ہے :

”قال أبو عمر : إذا كان من السنة أن تقام صلوة العيد للإمام فاجتمع أولي ، وبقال مالک والشافعي ، قال مالک : لئلا يرضى أرضه فرائض لا يسقطها موت الوالي ، ومنع ذلك أبو حنيفة كالحمد ، ولا يقيها إلا السلطان ، وقد صلى بالناس في حصر عثمان طيلة وأبو أيوب وسهل بن حنيفة وأبو أمامة بن سهل وغيرهم ، وصلى بهم على صلوة العيد فقط۔“ انتهى (شرح الزرقاني على الموطا ۱ ۵۱۵)

”ابو عمر نے کہا کہ جب یہ سنت ہے کہ نماز عید قائم کی جائے گی امام کے بغیر تو جمعہ اس حکم کا زیادہ مستحق ہے اور یہی بات مالک اور شافعی نے کہی ہے۔ مالک نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر اللہ کے لیے (بندوں پر) کچھ فرائض ہیں ، جسے والی کی موت ساقط نہیں کر سکتی۔ لیکن ابو حنیفہ نے اس سے انکار کیا ہے ، جیسے حدود ہیں کہ اس کی اقامت سلطان ہی کر سکتا ہے ، حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ حصر میں لوگوں کو نماز پڑھانی طلحہ نے ، ابو ایوب نے ، سهل بن حنیف نے اور ابو امامہ بن سهل وغیرہم نے ، اور حضرت علی نے ان کو عید کی نماز بھی پڑھانی۔ ختم شد۔“

اور کاشغری سلام اللہ رحمہ اللہ نے ”محلی شرح موطا“ میں :

”وقال أبو عبيد : ثم شهدت العيد أي الأضحية مع علي بن أبي طالب ، وعثمان مصور في داره أيام الفتنة ، وروي أنه يوم الناس أيضا في أيام المحاصرة كئذ من رؤوس البغاة ، وقد يوصم طيلة ، وأحياناً سهل بن حنيفة۔“ انتهى

”ابو عبید نے کہا کہ پھر میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی ، دراصل حالیکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتنے کے زمانے میں اپنے گھر میں حضور تھے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ محاصرے کے ایام میں باغیوں کا سردار کئذ لوگوں کی امانت کرتے تھے۔ اور بسا اوقات طلحہ امانت کرتے اور کبھی کبھی سهل بن حنیف۔ ختم شد۔“

اور ”ارکان اربعہ“ میں ہے :

”ومضى السلطان أو أمره بإقامة الجمعة عند الحنفية خاصة لا عند الشافعية ، فانهم يقولون : إذا اجتمع مسلمو بلدة ، وقد موأبما ، وصلوا الجمعة خلفه جازت الجمعة ، والمأمور من قبل السلطان أفضل ، ولم أطلع على دليل ينفذ اشتراط أمر السلطان ، وافي الهداية لأنها تقام بجماعة۔ فحسب أن تقع المنازعة۔ فهذا رأي لا يثبت الا اشتراط لإطلاق نصوص وجوب الجمعة ، ثم هذه المنازعة تندفع بإجماع المسلمين على تقديم واحد كما أن رتبة السلطان يطلبها كل أحد من الناس فحسب أن تقع المنازعة فلا يلحق نصب السلطان لكن تندفع هذه المنازعة بإجماع المسلمين على تقديم واحد كذا هذا ، وكما في جماعة الصلوة عسى أن تقع المنازعة في تقديم رجل لكن تندفع بإجماع المسلمين كذا في الجمعة ثم الصحابة أقاموا الجمعة في زمان فتية بلوى أمير المؤمنين عثمان ، وكان هو إماما محتصرا ، ولم يعلم أنهم طلبوا الإذن في إقامة الجمعة ، بل الظاهر عدم الإذن لأن هؤلاء الاشقياء من أصحاب الشر لم يخصوصوا ذلك فعلم أن إقامة الجمعة غير مشروطة عندهم بالإذن۔“ انتهى

”ان شرائط میں سے سلطان ہے یا اس کا اقامت جمعہ کا حکم دینا ، احناف کے نزدیک خاص طور سے ، شافعی حضرات کے نزدیک نہیں ، کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب کسی شہر کے مسلمان مجتمع ہو جائیں اور کسی کو امانت کے لیے آگے بڑھادیں اور اس کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھ لیں تو جمعہ جائز ہے۔ اگر سلطان کی جانب سے کوئی اقامت جمعہ کے لیے مامور ہو تو یہ افضل ہے۔ میں کسی ایسی دلیل سے واقف نہیں جو سلطان کے حکم کی شرط کا فائدہ دیتی ہو۔ یہ جو ”الہدایہ“ میں ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت سے قائم کی جاتی ہے تو اس بات کا امکان ہے کہ جھگڑا واقع ہو جائے۔ تو اس سے شرط ثابت نہیں ہوتی ، کیونکہ وجوب جمعہ کے سلسلے میں مطلق نصوص ہیں۔ پھر یہ نزاع مسلمانوں کے اجماع سے کسی ایک کو آگے بڑھانے کی صورت میں ختم ہو جائے گا ، کیونکہ سلطان کا رتبہ بھی ایسا ہے کہ ہر ایک اس کا مطالبہ کرتا ہے ، اس میں امکان ہے کہ نزاع واقع ہو جائے تو سلطان کا مقرر کرنا کبھی درست نہ ہوا ، لیکن یہ نزاع کسی ایک کو آگے بڑھانے کی صورت میں تمام مسلمانوں کے اجماع سے ختم ہوتا ہے ، جیسا کہ دیگر نمازوں کی جماعت میں ہوتا ہے کہ کسی شخص کے آگے بڑھانے کی صورت میں نزاع پیدا ہو جاتا ہے ، لیکن نمازوں کے اجماع سے ختم بھی ہو جاتا ہے ، ایسا ہی جمعہ کے معاملے میں ہے۔ پھر یہ کہ صحابہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنے کے زمانے میں جمعہ قائم فرمایا ، دراصل حالیکہ وہ امام حق حضور تھے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لوگوں نے ان سے اقامت جمعہ کے لیے اجازت طلب کی ہو ، بلکہ عدم اذن ظاہر ہے ، کیونکہ اصحاب شر اور بد بختوں نے ان کو اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اقامت جمعہ کے لیے اذن سلطان غیر مشروط ہے۔ ختم شد۔“

اور ائمہ احناف اوپر اشتراط سلطان کے جو یہ روایت ابن ماجہ کی پیش کرتے ہیں :

”حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير حدثنا الوليد بن بكير حدثني عبد الله بن محمد العدوي عن علي بن زيد عن سعيد بن المسيب عن جابر بن عبد الله قال : خطبنا رسول الله ﷺ فقال : اعلموا أن الله قد افترض عليكم الجمعة في مقامى هذا ، في يومى هذا ، في شهرى هذا ، من عامى هذا إلى يوم القيامة فمن تركها في حياتي أو بعد ي ولده إمام عادل أو جائر“ الحديث (سنن ابن ماجه ، رقم الحديث ۱۰۸۱)

”ہمیں حدیث بیان کی محمد بن عبد اللہ بن نمیر نے ، انھوں نے کہا کہ مجھے عبد اللہ بن محمد العدوی نے علی بن زید کے واسطے سے بتایا ، وہ سعید بن مسیب کے واسطے سے اور وہ جابر

بن عبد اللہ کے واسطے سے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب کیا اور فرمایا کہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر حمد فرض کیا ہے اس جگہ، آج کے دن، میرے اس مہینے میں، اس سال، قیامت تک کے لیے، پس جس کسی نے میری زندگی میں یا میرے بعد درآں حالیکہ وہاں اس کے لیے امام عادل یا جائز موجود ہو، اسے بھجوراً... الحدیث۔“

سو یہ قابل استدلال نہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے۔ قابل حجت نہیں۔ ایک راوی اس میں عبد اللہ بن محمد العدوی ہے۔ وہ متروک الحدیث ہے اور بعضوں نے واضعین سے اس کو شمار کیا ہے اور بعضوں نے منکر الحدیث کہا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے :

”عبد اللہ بن محمد العدوی، قال البخاری: منکر الحدیث، وقال کعب: لیضع الحدیث، وقال ابن حبان: لا یجوز الاحتجاج بخبره۔“ (میزان الاعتدال ۲: ۴۸۵)

”عبد اللہ بن محمد العدوی کے بارے میں بخاری نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ و کعب نے کہا کہ وہ حدیث وضع کرتا ہے اور ابن حبان نے کہا کہ اس کی خبر سے حجت قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ ختم شد۔“

اور بھی میزان میں بذیل ترجمہ ابان بن جلد مرقوم ہے :

”نقل ابن القطان أن البخاری قال: کل من قلت فیه: منکر الحدیث۔ فلا تحل الروایۃ عنه۔“ (میزان الاعتدال ۱: ۶)

”ابن القطان نے نقل کیا ہے کہ بخاری نے کہا کہ ہر وہ شخص جس کو میں نے منکر الحدیث کہا ہے، اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔“

اور بھی کہا ذہبی نے بذیل ترجمہ سلیمان بن داود الہمامی کے :

”إن البخاری قال: من قلت فیه: منکر الحدیث۔ فلا تحل روايته حدیثہ۔“ (میزان الاعتدال ۲: ۲۰۲)

”بخاری نے کہا کہ جس کے بارے میں، میں نے منکر الحدیث کہا، اس سے کسی حدیث کی روایت جائز نہیں ہے۔ ختم شد۔“

اور ”تقریب التہذیب“ میں ہے :

”عبد اللہ بن محمد العدوی متروک، راہ و کعب بالوضع۔“ (تقریب التہذیب ص: ۳۲۲)

”عبد اللہ بن محمد العدوی متروک ہے۔ و کعب نے اس پر وضع حدیث کا الزام لگایا ہے۔ ختم شد۔“

اور علی بن زید بن جعدان، جو شیخ عبد اللہ بن محمد العدوی کا ہے، وہ بھی ضعیف ہے۔

قال المنذري في الترغيب والترهيب: ”علي بن زيد بن جعدان قال البخاري وأبو حاتم: لا يحتج به، وضعه ابن عيينة وأحمد وغيرهما، وروي عنه: ليس بشيء، وروي عنه: ليس بذاك القوي، وقال أحمد الحلي: كان يثبغ وليس بالقوي، وقال الدارقطني: لا يزال عندي فيه لين، وقال الترمذي: صدوق وصح له حديثا في السلام، وحسن له غير ما حديث۔“ (انتہی)

”المنذري نے ”الترغيب والترهيب“ میں کہا ہے علی بن زید بن جعدان کے بارے میں بخاری اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہیں قائم کی جاسکتی۔ ابن عیینہ اور احمد وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، نیز یہ کہ وہ چنداں قابل اعتبار اور قوی نہیں۔ احمد علی نے کہا ہے کہ وہ شیخ تھے اور قوی نہیں تھے۔ دارقطنی نے کہا کہ میرے یہاں وہ کمزور ہے اور ترمذی نے صدوق کہا ہے اور ان کی ایک حدیث کو صحیح اور کئی ایک حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ختم شد۔“

اور کہا ذہبی نے میزان میں :

”قال حماد بن زيد: أخبرنا علي بن زيد، وكان يلقب الأحاديث، وقال الفلاس: كان يحكي القطان ميثقي الحديث عن علي بن زيد، [وروي عن يزيد بن زريع قال: كان علي بن زيد] رافضيا، وقال أحمد الحلي: كان يثبغ وليس بالقوي، وقال البخاري وأبو حاتم: لا يحتج به، قال الفسوي: اختلط في كبره، وقال ابن خزيمة: لا أحتج به لسوء حفظه۔“ (میزان الاعتدال ۳: ۱۲۷)

”حماد بن زيد نے کہا کہ ہمیں علی بن زید نے بتایا اور وہ حدیث میں بہرہ پھر کرتے تھے۔ فلاں نے کہا کہ یحییٰ قطان، علی بن زید کی حدیث سے بچتے تھے اور یزید بن زریع نے کہا کہ وہ رافضی تھے اور احمد علی نے کہا کہ وہ تشیع کرتے تھے اور قوی نہیں تھے۔ بخاری اور ابو حاتم نے کہا کہ اس سے حجت نہیں قائم کی جاسکتی۔ فسوی نے کہا کہ ان کے بڑھاپے میں انہیں اختلاط واقع ہو گیا تھا اور ابن خزیمہ نے کہا کہ ان کے برے حافظے کی بنا پر میں ان کو حجت نہیں بناتا۔ ختم شد۔“

اور خلاصہ میں ہے :

”قال أحمد أبو زرية: ليس بالقوي، وقال ابن خزيمة: سيء الحفظ، وقال شعيب: حدثنا علي بن زيد قبل أن يختلط، وقرنه مسلم باخر۔“ (انتہی) (الخلاصۃ للفرجی ص: ۲۷۴)

”احمد اور ابو زریہ نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہے۔ ابن خزیمہ نے کہا کہ وہ حافظے کے برے ہیں اور شعبہ نے کہا کہ ہمیں علی بن زید نے بیان کیا اختلاط سے قبل اور مسلم نے ان کو دوسرے کے ساتھ ملا کر روایت کی ہے۔ ختم شد۔“

اور عبد اللہ بن محمد العدوی کا شاگرد۔ اعمیٰ۔ الولید بن بکیر بھی کچھ ایسا قوی راوی نہیں ہے۔ تقریب میں ہے :

”الولید بن بکیر التیمی أبو جناب الخوفی لین الحدیث۔“ (تقریب التہذیب ص: ۵۸۱)

”ولید بن بکیر تمیمی البونجاب کو فی ضعیف الحدیث ہیں۔ ختم شد۔“

اور میزان الاعتدال میں ہے :

”الولید بن بکیر ما رأیت من وثقة غیر ابن جبان، وقال أبو حاتم : شیخ“ انتہی (میزان الاعتدال ۴/ ۳۳۶)

”ولید بن بکیر کو ابن جبان کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو ان کو ثقہ کہتا ہو اور ابو حاتم نے ان کو شیخ کہا ہے۔ ختم شد۔“

بہر حال یہ حدیث لائق حجت نہیں۔ اور دوسری تعریف مصر جامع کی بنا بر مسلک بلخی کے یہ ہے کہ جس جگہ تین مسجدیں یا زیادہ تین سے ہوں اور ایک ان میں بڑی مسجد ہو اور وہاں کے رہنے والے مکلف لوگ اس بڑی مسجد میں گنجائش نہ کر سکیں، جیسا کہ اوپر ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوا۔ اور اکثر حنفیہ نے اسی مسلک بلخی کو مرجح ٹھہرا کر اسی پر فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ در مختار میں ہے :

”یشترط لصحة سبعة أشياء : الأول المصر، وهو ما لا یسع أكبر مساجده أحد المكلفین بها، وعلیه فتویٰ اکثر الفقهاء لظهور التواتر فی الأحكام۔“ انتہی (الدر المختار ۲/ ۱۳۷)

”اس کی صحت کے لیے سات چیزوں کی شرط ہے۔ اول : مصر۔ یہ وہ ہے کہ اس کی سب سے بڑی مسجد اس شہر کی آبادی کے لیے کافی نہ ہوتی ہو۔ اکثر فقہاء کا اسی پر فتویٰ ہے احکام میں سستی کے ظہور کی بنا پر۔ ختم شد۔“

اور ”بحر الرائق شرح كنز الدقائق“ میں ہے :

وعلیہ فتویٰ اکثر الفقهاء۔ قال أبو شجاع : هذا أحسن ما قيل فيه، وفي الولوالجبية : وهو صحيح۔“ (البحر الرائق ۲/ ۱۵۲)

”اسی پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے۔ ابو شجاع نے کہا ہے کہ اب تک جتنی باتیں کہی گئی ہیں، ان میں احسن یہی ہے۔ تناویٰ ولوالجبية میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔“

اور شرح وقایہ میں ہے :

”وإنما انتار هذا دون التفسير الأول لظهور التواتر فی أحكام الشرع لا سيما فی إقامة الحد وفي الأمصار۔“ انتہی (شرح الوقایہ ۱/ ۱۸۹)

”پہلی تفسیر کے بالمقابل اس کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ احکام شرع میں سستی کا غلبہ پایا جاتا ہے خاص طور سے شہروں میں اقامت حدود کے سلسلے میں۔ ختم شد۔“

اور ”ارکان اربعہ“ میں ہے :

قال قائل : الفتویٰ فی مدحنا الروایة المختارة للبلخی“ انتہی

”ہمارے مذہب میں مفتی بہ قول بلخی کا ہے۔ ختم شد۔“

لیکن یہ تفسیر بھی مصر جامع کی، جو مطابق مسلک بلخی کے ہے، کتب لغت یا سنن رسول اللہ ﷺ میں پائی نہیں جاتی ہے کہ لائق حجت ہو، بلکہ جس وقت اسعد بن زرارہ نے اقامت جمعہ کی ہزم النیت میں کیا تھا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے بنی سالم میں جمعہ پڑھا تھا، اس وقت مدینہ منورہ میں مساجد متعدد تھیں سوائے دو ایک کے کہ بڑی مسجد میں گنجائش و انداز آدمیوں کے لئے نہ کیا جاتا۔ دیکھو! جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ جاتے تھے تو قبائیں، جو قراب مدینہ میں واقع ہے، بنی عمرو بن عوف کے یہاں میں دن کے قریب آپ ﷺ نے اقامت فرمائی اور بنا بر بعض دوسری روایتوں کے چار دن مدت اقامت کی تھی۔ یعنی دو شنبہ و سه شنبہ، چار شنبہ، پنج شنبہ اور انھیں کے مکان میں نماز پڑھتے رہے۔ پھر مسجد قبائیں نیو ڈالی۔ اس کے بعد آپ ﷺ جمعہ کے دن روانہ ہوئے اور بنی سالم بن عوف کے یہاں اترے اور ان کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی کہ وہ مسجد آج تک جمعہ مسجد کے مشہور ہے۔ علامہ سمودی نے ”خلاصة الوفاء بالخيار دار المصطفى“ میں لکھا ہے :

”الفضل الثاني فی مسجد قباء۔ فی الصحيح عن عروة بن خیر قدومه ﷺ قال : فلبث فی بنی عمرو بن عوف بضعة عشرة ليلة، وأسس المسجد الذي أسس على التقوى۔ یعنی بنی عمرو بن عوف، کافی روایت عبد الرزاق عنه، ولابن عازم عن ابن عباس : مکث فی بنی عمرو بن عوف ثلاث لیل، واتخذ مکانہ مسجدًا فكان یصلی فیہ، ثم بناه بنو عمرو بن عوف، فهو الذي أسس على التقوى۔“ انتہی (خلاصة الوفاء ص: ۱۸۳)

”صحیح میں عروہ کے واسطے سے مسجد قبائے کے متعلق مروی ہے کہ آپ ﷺ کی آمد کے بارے میں انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ بنو عمرو بن عوف کے درمیان تقریباً دس راتوں سے کچھ اوپر ٹھہرے اور اس مسجد کی بنیاد رکھی، جو تقوے پر مبنی تھی، یعنی عمرو بن عوف، جیسا کہ عبد الرزاق کی روایت میں ان کے واسطے سے ہے اور ابن عازم کی ایک روایت ابن عباس کے واسطے سے ہے کہ آپ ﷺ بنو عمرو بن عوف میں تین راتیں ٹھہرے اور وہاں پر ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھنے لگے۔ پھر بنو عمرو بن عوف نے اس کی تکمیل کی، تو یہی وہ مسجد ہے جو تقوے کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ ختم شد۔“

اور بھی ”خلاصة الوفاء“ میں ہے :

”الفضل الثالث، مسجد الجمجمة۔ سبق أن النبی ﷺ فی خروجه من قباء أدركته الجمجمة فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی بطن الوادي فقامت أول جمعة صلاھا بالمدینة، ولابن زبائنه : فر علی بنی سالم فصلی بحم الجمجمة فی العیبة بنی سالم، وهو المسجد الذي فی بطن الوادي، وفي رواية له : فهو المسجد الذي بناه عبد الصمد، ولابن شبة عن كعب ابن عجرة أن النبی ﷺ جمع أول جمعة حین قدوم المدینة فی مسجد بنی سالم فی مسجد عاتكة، وفي رواية له : الذي يقال له مسجد عاتكة، قال المطري : والمسجد فی بطن الوادي كان صغيرا جدا۔“ انتہی (خلاصة الوفاء ص: ۱۸۳)

وقال ابن هشام فی سیرته : ”وذكر سفیان بن عیینة عن زکریا عن الشعبي قال : إن أول من بنی مسجد اعمار بن یاسر۔ قال ابن اسحاق : فقام رسول اللہ ﷺ فی بیت ابی ایوب حتی بنی له مسجدہ ومسكنه، ثم انتقل إلى مساكنه من بیت ابی ایوب۔“ انتہی کلام ابن هشام۔ (سیرة ابن هشام ۱/ ۳۹۸)

وروی یونس بن بکر فی زیادات المغازی عن السعدي عن الحكم بن عتيبة قال: "لما قدم النبي ﷺ فزل بقباء، قال عمار بن ياسر: ما لرسول الله ﷺ بد من أن يبجل له مكانا مستطيل به إذا استنظف، ويصل في جمع حجارة فبني مسجد قباء فهو أول مسجد بُني بالمدينة۔" (فتح الباري ۷، ۲۳۵)

وقال ابن هشام أيضاً: "أقام رسول الله ﷺ بقباء في بني عمرو بن عوف يوم الاثنين ويوم الثلاثاء ويوم الأربعاء ويوم الخميس، وأسس مسجده، ثم أخرج الله من بين أظهرهم يوم الجمعة، وبنو عمرو بن عوف يزعمون أنه مكث فخم أكثر من ذلك، فأنشدوا علم أي ذلك كان، فأدركت رسول الله ﷺ الجمعة في بني سالم بن عوف فصلاحي المسجد الذي في بطن الوادي وادي راثوا، فكانت أول جمعة صلاها بالمدينة۔" (سيرة ابن هشام ۱، ۴۹۴)

"تیسری فصل جمعہ مسجد کے بارے میں۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ کے قبائے خروج کے وقت رستے میں بنو سالم بن عوف کے قبیلے میں جمعے کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے نماز جمعہ بطن وادی میں ادا کی۔ اسی کی ایک روایت میں ہے کہ وہ وہی مسجد ہے جو عبدالصمد نے بنائی تھی۔ ابن شہ کی کعب بن عجرہ کے واسطے سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی پہلی جمعے کی نماز جب وہ مدینہ آ رہے تھے، مسجد بنی سالم مسجد عاتکہ میں پڑھی تھی۔ اسی کی ایک روایت میں ہے اسی کو مسجد عاتکہ کہا جاتا تھا۔ المطری نے کہا کہ بطن وادی کی مسجد بہت زیادہ پھوٹی تھی۔ ختم شد۔"

"ابن ہشام نے اپنی "سیرت" میں کہا ہے: سفیان بن عیینہ سے زکریا کے واسطے سے اور وہ شعبی کے واسطے سے کہ شعبی نے کہا کہ سب سے پہلے جس نے مسجد بنائی وہ عمار بن یاسر تھے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ابوالب کے گھر میں اقامت پذیر ہوئے، پھر آپ کے لیے مسجد اور گھر بنائے گئے، پھر وہاں سے اپنے گھر منتقل ہو گئے۔ ابن ہشام کا کلام ختم ہوا۔ یونس بن بکر نے "زیادات مغازی" میں روایت بیان کی ہے سعوی کے واسطے سے اور وہ حکم بن عتیبة کے واسطے سے کہ انھوں نے کہا کہ جب نبی ﷺ آئے تو قبائے میں نزول فرمایا۔ عمار بن یاسر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ضروری ہے کہ ان کے لیے ایک مکان بنایا جائے جہاں وہ سایہ حاصل کریں، جب وہ بیدار ہوں اور اس میں نماز پڑھیں، تو انھوں نے بہتر جمعے اور مسجد قبا بنائی اور یہ پہلی مسجد تھی جو مدینہ میں بنائی گئی۔ ختم شد۔"

"ابن ہشام نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبا میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات کے دن تک اقامت پذیر رہے اور ان کی مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جمعے کے دن ان کے درمیان سے نکالا۔ بنو عمرو بن عوف یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کے درمیان زیادہ دنوں تک ٹھہرے، یہ اللہ ہی کو زیادہ بہتر معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے دن ٹھہرے۔ رستے میں بنو سالم بن عوف میں جمعے کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے جمعے کی نماز اس مسجد میں پڑھی جو بطن وادی میں وادی راثوا میں تھی۔ تو یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ ﷺ نے مدینہ میں ادا کیا۔ ختم شد۔"

پس صلوٰۃ جمعہ کے عمدہ شعار اسلام سے ہے اور فرضیت اس کی نص قطعی سے ثابت ہے، ادا کرنا اس کا شر و قصبات و دیات ہر جگہ لازم و واجب ہے اور محض بنا بر تفسیر کرشی یا بلغی کے کہ وہ مقابل دلیل ظنی کے بھی نہیں ہے، بلکہ ایک رائے محض ہے، ترک کرنا امر قطعی کا بالکلنافی اور ضعف ایمان کی نشانی ہے۔

اور جواب تیسرے سوال کا یہ ہے کہ نماز جمعہ فرض عین ہے۔ فرضیت ظہر اس سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے کہ صلوٰۃ جمعہ قائم مقام صلوٰۃ ظہر ہے۔ پس جس شخص نے ظہر احتیاطی ادا کیا، اس نے ایک صلوٰۃ مفروضہ کو دوبارہ ایک دن ایک وقت میں بلا اذن شارع ادا کیا اور یہ ممنوع ہے۔

عن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ: ((يقول لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین)) رواه أحمد وأبو داود والنسائی۔ (مسند أحمد ۲، ۱۹، سنن أبی داود، رقم الحدیث ۵۷۹، سنن النسائی، رقم الحدیث ۲۱۸۹)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک نماز کو دوبار ایک دن میں نہ پڑھو۔

پھر جب جمعہ بالکل قائم مقام ظہر کے ہو تو اب جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا جائز نہیں ہوا اور کسی سلف صاحبین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ وائمہ مجتہدین و محدثین رحمہم اللہ سے یہ ظہر احتیاطی منقول نہیں۔ یہ ان میں سے کسی نے پڑھا اور نہ حکم پڑھنے کا دیا، بلکہ یہ ظہر احتیاطی بدعت و محدث فی الدین ہے۔ پڑھنے والا اس کا عاصی و آثم ہوگا۔ کیوں کہ یہ ایک بدعت نکالی گئی ہے دین میں۔ بعض متاخرین حنفیہ نے اس ظہر احتیاطی کو نکالا ہے، جیسا کہ "بحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں ہے:

"وقد أفتيت مراراً بعد صلوٰۃ الأربع بعد ما بنيت آخر ظهرك خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة، وهو الاحتياط في زماننا۔" (البحر الرائق ۲، ۱۵۱)

"میں نے متعدد بار فتویٰ دیا ہے کہ جمعے کی نماز کے بعد چار رکعت نماز ظہر کی نیت سے نہیں پڑھی جائے گی، اس اعتقاد کے خوف کی بنا پر کہ جمعہ فرض نہیں اور یہ ہمارے زمانے میں ایک احتیاطی تدبیر ہے۔"

اور بھی "بحر الرائق" میں ہے:

"لهذا قال في فتح القدير في بيان دلالتها: ثم قال: إنما أكثرنا فيه نوعاً من الإكثار لما تسمع من بعض المجتهدين أنهم يفسون إلى مذهب الحنفية عدم افتراضها، ونشأ غلطهم ما سأتى من قول القدوري ومن صلى الظهر في منزله يوم الجمعة، ولا عذر له، كره، وجازت صلاته۔ وإنما أراد حرم عليه، وصحت الظهر [فإن حرمه لترك الفرض وصحت الظهر] لما سئل، وقد صرح أصحابنا بأنها فرض أكده من الظهر [ويخبر جاحداً] انتهي

"أقول: قد أكثر ذلك من مجتهدي زماننا أيضاً، ونشأ غلطهم صلوٰۃ الأربع بعد الجمعة بنيت الظهر، وإنما وضعها بعض المتأخرين عند الشك في صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها في مصر واحد، وليست هذه الرواية بالثابتة، وليس هذا القول، أعني اختيار صلوٰۃ الأربع بعد ما، مروا عن أبي حنيفة وصاحبيه۔" (البحر الرائق ۲، ۱۵۰، نيز دیکھیں: فتح القدير ۲، ۵۰)

"اس لیے انھوں نے "فتح القدير" میں اس کے دلائل کے بیان میں کہا ہے: یہاں ہم نے زیادہ تفصیل بیان کی ہے، کیونکہ بعض جاہل لوگ حنفی مذہب کی طرف اس کی عدم فرضیت منسوب کرتے ہیں۔ ان کی غلطی کا سبب قدوری کا یہ قول ہے کہ "جس نے جمعے کے دن ظہر کی نماز اپنے گھر میں پڑھ لی اور اس کا کوئی عذر بھی نہیں تو یہ مکروہ ہے، البتہ اس کی نماز درست ہے" تو قدوری کا مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے اور ظہر کی نماز بھی صحیح ہے اور تو یہ حرام ایسا ہے کہ اس نے فرض میں چھوڑا ہے۔ نماز ظہر کے صحیح ہونے کے دلائل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ جمعہ، ظہر سے بھی زیادہ مؤکد فریضہ ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

"میں کہتا ہوں: ہمارے زمانے میں جہالت کی بنا پر اکثر ہوتا ہے اور ان کے جمل کا نشانہ جمعہ کے بعد چار رکعت نماز ظہر کی نیت سے پڑھنا ہے۔ جمعے کی صحت میں شک کی بنیاد پر اس کو بعض متاخرین نے وضع کیا ہے، اس روایت کو سبب بنا کر جس میں مذکور ہے کہ ایک ہی شہر میں متعدد جمعے نہیں ہو سکتے۔ یہ روایت قابل اختیار نہیں ہے اور نہ یہ قول (جمعے کے بعد چار رکعت نماز پڑھنا) ابوحنیفہ اور صاحبین سے مروی ہے۔ ختم شد۔"

پس مرد قبیح سفت وہ ہے جو کہ اس بدعت و محدث فی الدین کی بیج کئی کرے اور لوگوں کو اس ظہر احتیاطی کے پڑھنے سے روکے۔

”عن عائشہ قالت: قال النبی ﷺ: ((من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فحورد)) متفق علیہ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۲۵۵۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۷۱۸)

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے معاملے میں کوئی نئی چیز گھڑی جو ہماری شریعت میں نہیں ہے تو وہ قابلِ رو ہے۔“

وعن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ: ((أما بعد! فإن خیر الحدیث کتاب اللہ، وخیر الحدیث حدی محمد، ونشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة)) رواہ مسلم۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۸۶۷)

”جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اما بعد! یقیناً سب سے اچھی بات کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھا راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے برے امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس کی روایت مسلم نے کی ہے۔“

حدامہ عبیدی واللہ اعلم بالصواب

[مجموعہ مقالات، و فتاویٰ](#)

صفحہ نمبر 424

محدث فتویٰ

